فروغِ فکر و آگہی کے لئے
ماہنامہ
پیام
اسلام آباد

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

مئی/جون 2022 | شوال/ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ

سلسلہ حکمت دعا
(شرائط دعا)

یہ اہم بات ہے کہ انسان اللہ کو پکارنے سے پہلے خالص ہو جائے۔ خلوص کا ایک معنیٰ ہے: اس کا خالص بندہ ہونا۔ جیسا کہ سورۃ اخلاص کے بارے میں ہے کہ اس میں خالص توحید بیان کی گئی ہے۔ یہاں بھی خدا کے مقابل جو دلوں میں غلاظتیں ہیں انھیں نکالنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم اللہ کے لیے خالص ہو کر اسے پکاریں گے تو وہ ہماری دعاؤں کو قبول کرے گا۔

اجمال پیام

اداریہ		۳

معارف

مطالعہ قرآن (۲)	ڈاکٹر محسن مظفر نقوی	۵
حکمت دعا ۲: شرائطِ دعا	سید ثاقب اکبر	۸
طرز حکمرانی نہج البلاغہ کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر روشن علی	۱۲
عظمتِ قرآن (قرآن اور معصومینؑ کی نگاہ میں)	حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری	۲۳
غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات	محمد فاروق علوی، برمنگھم	۳۰
امام خمینیؒ کا مشرب فلسفی	سید ثاقب اکبر	۳۳
وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ	تحریر: خالد رحمٰن	۳۹
والدین کی ذمہ داریاں	صاحبزادہ محمد امانت رسول	۴۶

پاکستانیات

پاکستان کا آئینی سفر اور چند سوالات	سید اسد عباس	۴۹
دوسری ترمیم کے بعد پاکستان میں قادیانیوں کی حکمت عملی	سید اسد عباس	۵۳

شخصیات

علمائے اہل سنت سے عارف حسین الحسینی کا خطاب		۵۷
ڈاکٹر آفتاب اصغر اور پروفیسر وزیر الحسن عابدی	محمد راشد شیخ	۵۹
تعارف قمر رضا شہزاد	تحریر: سید فرخ رضا ترمذی	۶۸

تبصرہ کتب

مکتب سلیمانی (مصنف: سید حسن رضا نقوی)	سید ثاقب اکبر	۷۳

روداد

اعلامیہ مجلس قائدین ملی یکجہتی کونسل پاکستان		۷۵

احوال حاضر و پیام حاضر

جس وقت یہ سطریں لکھ رہا ہوں ملکی حالات لمحہ بہ لمحہ بے یقینی کے مراحل طے کرتے جا رہے ہیں۔ معیشت کا بہانہ بنا کر اور مہنگائی کا نعرہ لگا کر کرسی اقتدار سے چمٹے رہنے کی تگ و دو میں شامل جماعتیں اپنے داؤ پیچ استعمال کر رہی ہیں۔ عوام بے چارے فٹ بال بنے ہوئے ٹھوکروں کی زد میں ہیں۔ ایسے میں ایک ایسے اداریے کا لکھا جانا جو حالات کا باریک بینی سے تجزیہ کر سکے اور کوئی امید کی کرن اجاگر کر سکے اگر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ایسے میں اپنے تحیر کا اظہار کرنا ہی اعتدال کا راستہ ہے۔ بقول غالب

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

سنا اور پڑھا ہے کہ ایک محفل جس میں فیض احمد فیض بھی موجود تھے، باتیں ہو رہی تھیں کہ اس ملک کا مستقبل کیا ہو گا؟ کسی نے کہا انارکی پھیلے گی، کسی کے خیال میں بڑے پیمانے پر خون خرابہ ہو گا اور کچھ کے خیال میں ملک مزید ٹوٹ پھوٹ کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔

ایسے میں کسی نے فیض احمد فیض کی رائے پوچھی تو انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا: ''بھئی! مجھے ڈر ہے کہ یہ ملک ایسے ہی چلتا رہے گا۔'' ان کا تجزیہ کس قدر صحیح تھا اس کا اندازہ آج کل کے حالات دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص واصف علی واصف سے ملنے کے لیے آیا۔ آپ نے مہمان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ چائے منگوائی، مہمان کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر آپ نے کہا: ''خیر اے کی ہو یا اے'' مہمان نے جواب میں کہا: ''واصف صاحب! اج کل ملک دے حلات بڑے خراب نیں۔'' واصف صاحب نے سوال کیا: ''ملک دے حلات توں خراب کیتے نیں؟'' اس نے جواب دیا: ''نئیں۔'' واصف صاحب نے دوسرا سوال کیا: ''توں ایہ خراب حلات ٹھیک کر سکدا ایں؟'' اس پر مہمان نے نفی میں جواب دیا۔ واصف علی واصف نے پیارے مہمان کو سمجھایا: ''پریشان کیوں ایں، خیر! آرام نال چا پی۔''

آج بھی عوام کی یہی حالت ہے کہ نہ حالات بگاڑنے میں ان کا حصہ ہے اور نہ حالات سنوارنے میں کوئی کردار۔ بس ایک پریشانی ہے کہ جو جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا رہے، آمین۔

پاکستان کے موجودہ حالات کی بہتری اور ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کی صورت گری کے لیے ہم دعا گو ہیں۔ اس ملک میں عدل و اعتدال، قانون کی حکمرانی اور عوام کی خوشحالی کے لیے ہم آرزو مند ہیں۔ یقیناً اس کے لیے مصور پاکستان علامہ اقبال کی تعلیمات اور بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی راہنمائی کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ پاکستانیات کا عنوان مستقل طور پر اس مجلّے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس حوالے سے مختلف پہلوؤں سے دو مقالات اس اشاعت میں شامل ہیں۔

ماہنامہ پیام اسلام آباد دو ماہی مجلّے کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ کچھ اختیار تو صاحب اختیار کے پاس ہوتا ہے کچھ کے ذمہ

دار ہمارے وہ معزز قارئین بھی ہیں جو زراعانت ادا کرنے میں تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ بہر حال ہم یہ علم وآگاہی کی دستاویز آپ تک پہنچانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ تاہم دوماہی ہونے پر اس کے صفحات کو بڑھا دیا گیا ہے۔ مضامین کا تنوع بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ نئے لکھنے والوں سے بھی استفادہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی اگر ایک کمی آئی ہے تو کئی دیگر خوبیاں شامل ہو گئی ہیں۔ دیکھتے ہیں آپ ان خوبیوں کو کس انداز سے سراہتے ہیں اور اس کے لیے کیسے تعاون فرماتے ہیں۔ بہر کیف تحریر و تسطیر اور باقاعدہ رکنیت اختیار کر کے تعاون کرنے والے احباب کے ہم ممنون ہیں۔

اس مجلّے کی اپنی ایک شناخت ہے، قرآن مجید و سنت رسولؐ اور اخلاقی موضوعات پر مضامین تو اس کا مستقل حصہ ہوتے ہی ہیں مگر بعض موضوعات ہر مرتبہ نئے ہوتے ہیں۔

ان حالات میں ایک اچھی خبر بھی آئی ہے۔ ملک خداداد پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے تقریباً انیس سال کے بعد سود کے خلاف تاریخی فیصلہ سناتے ہوئے، اس نظام کے مکمل خاتمے کے لیے پانچ سال کی مہلت دی ہے۔ اسے جس قدر اہمیت دینے کی ضرورت تھی نہیں دی گئی۔ یہ اب حکومت پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نئے بہانے تراشنے کے بجائے فیصلے کے روشنی میں مناسب اقدامات کرے۔ اس حوالے سے ایک اہم مضمون اس مجلّے کے صفحات پر موجود ہے۔ امید ہے کہ اس فیصلے پر اس کی روح کے مطابق عملدرآمد سے ہماری معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہم کسی قدر سرخرو ہو سکیں گے۔

اداریہ لکھنا میرے لیے نیا تجربہ ہے۔ ایک اداریہ لکھنے کے لیے مصمم ارادہ کرنا پڑتا ہے جب کہ ہم بقول حفیظ جالندھری ''ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں'' جیسے اصول پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے اس اداریے کو اس پس منظر کے ساتھ دیکھا جائے۔ یہ رسمِ مجلّات ہے جو نباہی جا رہی ہے۔

آپ سے گذارش ہے کہ اس مجلہ پر اپنی آراء کا اظہار فرمائیں اور دیگر اہل ذوق کو بھی متعارف کروائیں نیز زراعانت ادا کرنے کے لیے اقدام کریں۔

سید نثار علی ترمذی

مطالعہ قرآن (۲)

ڈاکٹر محسن نقوی

تفسیر مجمع البیان

ہماری خوش قسمتی ہے کہ پہلی تحریر کو صاحبان علم نے شرف قبولیت بخشا اور بعض نے اصرار کیا کہ تفسیر مجمع البیان پر مزید روشنی ڈالی جائے۔ تو عرض یہ ہے کہ تفسیر مجمع البیان کے مصنف اَمین الاسلام فضل بن حسن الطبرسی ہیں (۴۷۰ھ تا ۵۴۸ھ)۔ وہ مکتب امامیہ کے سر برآوردہ علماء میں ان کا شمار ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں شیعہ علماء کی کتب تفاسیر واحادیث کے ساتھ معتزلہ، اہل سنت وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔ شیعہ تفاسیر میں سے اَبی الجارود، تفسیر القمی، تفسیر العیاشی اور شیخ طوسی کی التبیان فی تفسیر القرآن کے حوالے دیے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ مجمع البیان کا تقریباً نصف حصہ طوسی کی التبیان سے ماخوذ ہے۔ التبیان میں روایات بہت ہی کم بیان ہوئی ہیں جب کہ یہ شیخ طوسی کی آخری تصنیف ہے۔

اہل سنت کی تفاسیر میں سے خاص کر تفسیر ابن جریر طبری اور تفسیر الثعلبی، اَبواسحاق محمد بن ابراہیم النیشاپوری کے حوالے ملتے ہیں۔ تفسیر طبری پر علاحدہ سے کچھ تحریر کریں گے، سردست اتنا جان لینا ضروری ہے کہ یہ تفسیر احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آثار صحابہ کرام، اور اقوال تابعین وتبع تابعین کی جامع ہے۔ خود امام طبری کی تشریحات انتہائی قابل قدر ہیں اور ابتدائی فہم قرآن کو یہ تفسیر خوب واضح کرتی ہے۔

علامہ طبرسی نے معانی القرآن پر لکھی جانے والی اس وقت تک کی اہم ترین کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یحیی بن زیاد الفراء (م ۲۰۷ھ) کی معانی القرآن، سعید بن مسعدہ الاخفش (م ۲۱۰ھ) کی کتاب معانی القرآن، اسی طرح ابوعبیدہ معمر بن المثنی (م ۲۱۰ھ) کی مجاز القرآن، مفضل بن سلمہ النحوی (م ۳۰۰ھ) کی ضیاء القلوب اور ابواسحاق ابراہیم بن السری الزجاج (م ۳۱۱ھ) کی معانی القرآن سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان سب حضرات کے یا تو نام لیے ہیں یا پھر کنیت سے اشارہ کیا ہے۔

قرآن مجید کی مختلف قراءات منقول ہیں جن میں سے سات کو متواتر سمجھا جاتا ہے۔ الفاظ قرآنی کے معانی مقرر کرنے میں تعیین قراءات کا بہت دخل ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی اس ضمن میں متداول اور مستند کتب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جن میں سے یہ کتب مشہور ہیں: ابوعلی الفارسی النحوی (م ۳۷۷ھ) کی ''الحجہ فی القراءات السبع''۔ الطبرسی نے اس کتاب کو آنکھیں بند کر کے استعمال نہیں کیا بلکہ فنی اعتبار سے بہترین تنقیدیں بھی کی ہیں۔ طبرسی قراءات کو الفارسی کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ ان کے استاذ ابن مجاہد کی طرف صحیح طور پر منسوب کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ قراءات کے دلائل یعنی حجتوں کو الفارسی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ دوسری اہم کتاب ابوالفتح عثمان بن جنی (م ۳۴۲ھ) کی المحتسب ہے جس کی طرف علامہ طبرسی نے بار بار رجوع کیا ہے۔ الفارسی کی کتاب الحجہ تو سات قراءات کے متعلق ہے جب کہ ان کے شاگرد ابن جنی نے المحتسب میں شاذ قراءات کا ذکر کیا ہے۔ علامہ طبرسی ایسے مقامات پر ابن جنی کو نقل کرتے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں جن کتب لغت ونحو سے استفادہ کیا ہے ان میں خلیل بن احمد الفراہیدی (م ۱۷۰ھ) کی کتاب العین،

السیبو یہ (م ۱۸۰) کی الکتاب، ابوالعباس المبرد (م ۲۸۵ھ) کی المقتضب، ابن درید (م ۳۲۱ھ) کی جمھرۃ اللغۃ اور ابومنصور الازھری (م ۳۷۰ھ) کی تہذیب اللغۃ، شامل ہیں۔ خلیل بن احمد فراھیدی کو عربی کا پہلا لغت نویس سمجھا جاتا ہے۔ اس کا تعارف خود ایک مقالے کا محتاج ہے۔ اس کی کتاب العین عربی زبان کی پہلی لغت ہے۔ ابوبشر عمرو بن عثمان السیبو یہ کی الکتاب کو عربی صرف ونحو کی انجیل مانا جاتا ہے۔ علامہ طبرسی جب اس کتاب سے سیبویہ کے استاد خلیل کا کوئی قول نقل کرتے ہیں تو اسے سیبویہ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ صرف سیبویہ کا اپنا قول اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زیادہ تر طبرسی سیبویہ کے قول کی موافقت کرتے ہیں لیکن کبھی اس کے مقابل دوسری رائے پیش کرتے ہیں۔ عربی صرف ونحو میں طبرسی کا دوسرا ماخذ المبرد کی المقتضب ہے۔ یہ بھی ایک شاندار کتاب ہے جس سے طبرسی نے خوب استفادہ کیا ہے۔ ابن درید کی جمھرۃ اللغۃ عربی افعال کے مادوں، مشتقات، توضیح ابنیۃ وصرف کی بہترین وضاحتیں پیش کرتی ہے۔ جبکہ الازہری کی تہذیب اللغہ کو قرآن واحادیث کی تشریح میں ہم لسان العرب پر فوقیت دیتے ہیں۔ یہ ایک اعلی درجے کی کتاب ہے جس سے علامہ طبرسی نے استفادہ کیا ہے۔ قرآن وحدیث کے غریب الفاظ کی شرح میں الازھری کی ایک اور کتاب الغریبین ہے جو غالبا اس وقت تک دریافت نہیں ہوئی تھی۔

علامہ طبرسی نے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا، شیعہ اور سنی دونوں مکاتب فکر کی کتب احادیث سے روایات کو جابجا نقل کیا ہے۔ ان میں مکتب امامیہ کی اہم کتاب الکافی فی الاصول والفروع (۷ جلدیں) از محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۸ھ)، ابوجعفر محمد بن علی الصدوق (م ۳۸۱ھ) کی من لایحضرہ الفقیہ، شیخ الطائفہ ابوجعفر الطوسی (م ۴۶۰ھ) کی تھذیب الأحکام اور الاستبصار، شیخ صدوق کی الامالی اور شیخ مفید کی الامالی شامل ہیں۔

مکتب اہل سنت سے امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی المسند، امام محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح اور مسلم بن حجاج نیشاپوری (م ۲۶۱ھ) کی الجامع الصحیح سے روایات نقل کی ہیں لیکن احادیث کو نقل کرنے میں ان کا سب سے بڑا ماخذ طبری کی تفسیر ہے۔

ثانوی مصادر میں شریف مرتضی کی الامالی، ابن بابویہ کی کتاب النبوۃ، ابن خالویہ کی القرءات وعللھا، ابن فارس کی مجمل اللغۃ، واقدی کی کتاب المغازی، عبدالقاھر جرجانی کی دو کتابیں أسرار البلاغۃ اور دلائل الاعجاز، الحاکم الحسکانی کی شواھد التنزیل، نیز دیگر کتابیں شامل ہیں۔

سیرت کی کتابوں میں سے علامہ طبرسی نے محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) کی کتاب السیرۃ سے استفادہ کیا ہے۔ مطبوعہ سیرت ابن اسحاق اصل کتاب کا ایک حصہ ہے، سیرت النبی جو ابن ھشام کی مشہور ہے اس میں ابن اسحاق کی کتاب نیز خود ابن ھشام کی تشریحات شامل ہیں لیکن ابن ھشام کا حوالہ ہمیں طبرسی کے وہاں نہیں ملتا ہے۔

مطالعہ قرآن (۳)

تفسیر طبری

اب ہم اہل سنت کی ایک اہم تفسیر کا تعارف پیش کریں گے جس کا ذکر بار بار گذشتہ سطور میں بھی آیا، ہماری مراد محمد بن جریر الطبری (۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ) کی تفسیر ''جامع البیان عن تأویل آي القرآن'' جس سے تمام ہی تفاسیر میں، خواہ شیعہ ہوں خواہ سنی، خوشہ چینی کی گئی ہے۔

ابن جریر الطبری نے حصول علم کے لیے بہت سے سفر کیے اور ہر مقام کے مشایخ سے کسب فیض کیا۔ ان کے اکابر مشائخ کی تعداد بھی کم از کم بیس ہے جن میں نمایاں محمد بن حمید الرازی (م ۲۴۸ھ) ہیں جن سے ایک لاکھ احادیث اخذ کیں، عمران بن موسی اللیثی (م ۲۴۰ھ)، محمد

بن العلاء الھمدانی (م ۲۴۷ھ)، ان سے بھی ایک لاکھ احادیث لیں، محمد بن بشار العبدی (م ۲۵۲ھ)، طبری ان سے کثرت سے روایت کرتے ہیں، طبری نے ابومقاتل الرازی (۲۴۷ھ) سے فقہ حنفی حاصل کی، امام لغت وقراءات ابوحاتم السجستانی (م ۲۵۵ھ) سے تلمذ حاصل کیا، زبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ) علم الانساب کے ماہر تھے ان کے شاگرد رہے، امام شافعی کے شاگرد ربیع بن سلیمان الازدی (م ۲۵۶ھ)، حسن بن محمد الزعفرانی (۲۶۰ھ) دونوں سے فقہ شافعی حاصل کی، ابن جریر طبری مشہور محدث ابوزرعہ رازی (م ۲۶۴ھ) کے بھی شاگرد رہے۔ فقہی مکاتب میں ایک نام فقہ ظاہری کا بھی آتا ہے۔ علامہ طبری نے اس کے بانی داؤد بن علی الاصبھانی (م ۲۷۰ھ) سے ملاقات کی اور ان کا مذھب حاصل کیا اور ان کی ساری کتابیں پڑھ ڈالیں۔ نحو، لغت اور ادب کے نامور امام احمد بن یحیی ثعلب الکوفی (م ۲۹۱ھ) بھی طبری کے اساتذہ میں ہیں۔ لغت اور ادب میں ان کے دوسرے اہم استاذ علی بن سراج المصری (م ۳۰۸ھ) ہیں۔ علامہ طبری نے مصر کے پہلے قیام کے دوران میں ان سے ملاقات اور استفادہ کیا تھا۔ ہم نے ان کے اساتذہ میں سے بڑے بڑے نام اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ علامہ طبری کے تبحر علمی اور مناولت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ انھوں نے حدیث وفقہ کو جس طرح مختلف مذاہب کے علماء سے حاصل کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود ایک مذہب کے بانی بن گئے۔ گو کہ کچھ ہی عرصے کے بعد یہ مذہب ناپید ہو گیا پھر بھی اس کے منہج پر خود طبری کے شاگردوں نے کتابیں لکھیں جن میں اہم ابوبکر احمد بن کامل (م ۳۵۰ھ) ہیں۔

علامہ طبری نے تفسیر قرآن کے مقدمے میں اپنی اس کتاب کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے جس سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) ان کی تفسیر کا موضوع معانی قرآن کا بیان اور اس کی تاویل کی شرح ہے،

(۲) تفسیر قرآن کے لیے جن علوم وفنون کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کو بروئے کار لایا گیا ہے،

(۳) ان امور کا اس قدر تفصیلی بیان ہے کہ دوسری کتب کی حاجت کم ہی رہتی ہے،

(۴) تفسیر کے دوران علامہ طبری علمائے کرام کے متفقہ مسائل نیز مختلف فیہ مذاہب کا ذکر کرتے جاتے ہیں،

(۵) ان اقوال کی علتوں اور دلائل کا بھی ذکر کرتے ہیں،

(۶) پھر یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان کے خیال میں صحیح قول کون سا ہے، ترجیح کس کو حاصل ہے اور خود طبری کا مختار کیا ہے،

(۷) علامہ طبری نے کوشش کی ہے کہ ان امور کا بیان ایجاز واختصار کے ساتھ ہو اور یہ نہج پوری تفسیر میں برقرار رہے۔ یہ انتہائی جامع کتاب ہے اور اس کی مثل دوسری تفسیر موجود نہیں۔

واللہ أعلم بالصواب

حکمت دعا (۲)

شرائطِ دعا

مفتی امجد عباس:

ثاقب صاحب! اکثر ایک سوال دہرایا جاتا ہے کہ اللہ کریم کا حکم ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا تو پھر ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟ کیا دعا کی کچھ شرائط ہیں؟ کیا اس حوالے سے قرآن و حدیث میں کوئی راہنمائی موجود ہے؟

سید ثاقب اکبر:

یہ ایک اہم موضوع ہے، ایسا ممکن نہیں ہے کہ دعا کے موضوع پر بات کی جائے اور اس سوال کا جواب نہ دیا جائے۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں راہنمائی فرمائی ہے۔ یہاں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ دعا ایک طرح سے عبادت ہے، بعض لوگ دعا اور عبادت کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھتے ہیں۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اپنے مولا و آقا سے بات کرے، دعا کرے، طلب کرے، صبح و شام اللہ سے التجا کرے، بعض انسان اس عمل میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دعا خود ایک مطلوب ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی بندہ تجھ سے میرے بارے میں سوال کرتا ہے تو اس سے کہو کہ میں قریب ہی ہوں:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (بقرہ ۱۸۶) جب بھی مجھے کوئی پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کا جواب دیتا ہوں۔

اس مقام پر یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ یہ میرے بندے ہیں اگر آپ کسی اور کے بندے ہیں تو پھر آپ سے متعلق بات نہیں ہو رہی۔ اس میں اپنائیت کا اظہار ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم بندے کسی اور کے ہوں اور پکاریں اسے، بقول اقبال:

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

کہیں ایسا نہ ہو کہ دل کہیں اور لگایا ہو، یہاں دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرا نکتہ اسی آیت میں ہے کہ جب وعدہ کیا گیا کہ مجھے پکارو میں تمھاری فریاد سنوں گا تو اس میں اس کی جانب سے بھی پکار ہے:

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (بقرہ ۱۸۶)

پس میری بات بھی مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ شاید صحیح راستہ پا لیں۔

اللہ نے کہا ہے کہ ظلم نہ کرو، اس نے کہا ہے کہ روزہ رکھو، نماز پڑھو، سچ بولو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، زکوۃ دو، غریب پروری کرو ہمیں اس کی بھی بات ماننی ہے۔ اسی آیت میں آگے ہے کہ ایمان بھی لانا ہوگا تب ممکن ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیں اور رشد پا جائیں۔ میری نظر میں یہ ایک مفصل آیت ہے جس کی جانب ہمیں توجہ دینا چاہیے۔ جیسے عبادت کی کچھ شرائط ہیں اسی طرح دعا کی بھی کچھ شرائط ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ بعض اوقات ہم ایسی چیز کا تقاضا کر رہے ہوتے ہیں جو ہمارے مفاد میں نہیں ہوتی۔

قبلہ مفتی صاحب! میں اپنی زندگی کے تجربے کی بنیاد پر یہ کہتا ہوں کہ میری زندگی کی بعض ایسی دعائیں تھیں کہ جو پوری نہیں ہوئیں تو بعد میں، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ یہ اس کا کرم اور رحم تھا کہ جو میں نے مانگا وہ میرے مفاد میں نہیں تھا۔ وہ کتنا کریم ہے۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں بات کی ہے:

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (بقرہ ۲۱۶)

ہوسکتا ہے کوئی چیز تمھارے لیے کراہت آور ہولیکن وہ تمھارے لیے اچھی ہو اور ایک چیز ممکن ہے تمھیں بہت محبوب ہولیکن وہ تمھارے مفاد میں نہ ہو سراپا شر ہو۔

جب ہم کہتے ہیں کہ ہماری فلاں دعا پوری نہیں ہوئی تو اللہ جانتا ہے کہ جو آپ نے مانگا تھا اگر خدا آپ کو دے دیتا تو آپ کے لیے نقصان دہ ہوتا۔ ہم جانتے ہیں کہ لوگ عذاب کا تقاضا کرتے تھے، انبیاء سے کہتے تھے کہ تم جو کہتے ہو کہ اگر ہم نے اللہ کی نافرمانی کی تو عذاب آئے گا تو وہ عذاب لے آؤ۔ وہ ایسی چیز کا تقاضا کرتے تھے جو ان کے مفاد میں نہیں تھی۔

مفتی امجد عباس:

یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ انسان کو ایسی چیزوں سے بچائے جو ان کے مفاد میں نہیں ہیں۔ اس کی عام مثال بچوں کی ہے کہ وہ والدین سے کیسے کیسے تقاضے کرتے ہیں اور والدین چونکہ جانتے ہیں کہ یہ بچے کے مفاد میں نہیں ہے تو وہ نہیں دیتے۔ اللہ کی ذات تو علیم و حکیم ہے، اس کے سامنے سارے حقائق موجود ہیں اگر حاسدین کی اللہ دعائیں سن لیتا تو دنیا کا منظر ہی کچھ اور ہوتا۔

سید ثاقب اکبر:

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم بعض اوقات کسی کے خلاف دعا کر رہے ہوتے ہیں، ہمیں دیکھنا چاہیے کہ جس کے خلاف ہم بات کر رہے ہیں وہ بھی خدا کا بندہ ہے۔ خدا تو سب کا ہے۔ ہم بعض اوقات سطحی باتیں کر رہے ہوتے ہیں، ہم حسد کے تحت اللہ سے بات کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔ انسان کو بندہ بن کر اور اسے پوری کائنات کا رب سمجھ کر اس کے سامنے اپنی بات کرنا چاہیے۔

مفتی امجد عباس:

پنجابی کا محاورہ ہے جس کا اردو مفہوم یہ ہے کہ اگر کوّوں کی دعائیں قبول ہوتیں تو ساری بھینسیں مر جاتیں تا کہ کوّے ان کو آسانی سے نوچ سکتے۔

سید ثاقب اکبر:

جی بالکل ایسے ہی کسی پنجابی شاعر نے کہا ہے:

گلیاں ہو جان سنجیاں وچ مرزا یار پھرے

یعنی مرزا یار کے گلی میں گھومنے کے لیے سارے لوگ مر جائیں۔ انسان بعض اوقات اللہ سے اس طرح کی فرمائشیں کرتا ہے۔ اللہ کی شان کبریائی کے خلاف ہے کہ ان باتوں کو درخور اعتنا جانے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک دعا جو کی گئی ہے اس کے لیے مناسب وقت نہیں ہوتا، انسان چونکہ جلد باز ہے اس لیے گا ہے ایسا کرتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ (بنی اسرائیل ۱۱) انسان شر ایسے مانگتا ہے جیسے خیر مانگنا چاہیے۔

وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا (بنی اسرائیل ۱۱)　　انسان جلد باز ہے۔

اپنی پسند کی چیز کوفورا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے دعا کر دی ہے تو پروردگار بہتر جانتا ہے کہ دعا کو قبول کرنا ہے یا نہیں کرنا، وہ آپ کے فائدے میں ہے یا نقصان دہ ہے، کیا اس کا وقت ہے یا نہیں ہے۔ ہمیں دعا کے حوالے سے اپنی نیت، مدعا کو کھنگالتے رہنا چاہیے۔ اس میں ایک اور بات اہم ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ انسان کسی پر ظلم کرے، یتیموں کا خیال نہ رکھے اور پھر توقع رکھے کہ میری دعا قبول بھی ہو جائے۔ حدیث میں ہے کہ یتیم کی فریاد اور عرش کے مابین کچھ فاصلہ نہیں ہے، اگر انسان کسی یتیم کے ساتھ ظلم کرے اور توقع رکھے کہ اس کی دعائیں بھی قبول ہوں تو یہ درست نہیں ہے۔ انسان کو اس سلسلے میں اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ بندہ خود ڈیفالٹر ہو اور اللہ سے خیر کی توقع رکھے۔ ہماری جب کوئی دعا قبول نہ ہو تو ہمیں اپنے اصلاح احوال کی کوشش کرنی چاہیے۔

امام علیؑ دعائے کمیل میں فرماتے ہیں: اے اللہ! میرے وہ گناہ بخش دے جو دعاؤں کی قبولیت میں حائل ہوتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ دعاؤں کی قبولیت میں ہمارے اعمال بھی حائل ہوتے ہیں۔ اگر یہ اعمال لوگوں کے حقوق سے متعلق ہیں تو انسان کو پہلے ان انسانوں کے حقوق کو ادا کرنا ہوگا۔ تلافی کی کوئی صورت نکالنی ہوگی۔ اگر انسان کے کچھ ایسے گناہ ہیں جو اس کی اپنی ذات سے متعلق ہیں تو اسے ان کے لیے بھی اللہ کے حضور معذرت، ندامت کا اظہار کرنا ہے تا کہ اللہ اس کی دعاؤں کو قبول فرمائے۔ بقول اقبالؒ

نہ بچا بچا کے رکھ اسے تیرا آئینہ وہ ہے آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

انسان اگر اللہ سے پہلے بخشش طلب کرے اور ندامت کا اظہار کرے تو یہ اللہ کی نگاہ میں زیادہ محبوب ہے۔

مفتی امجد عباس:

قبلہ! آپ کی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان نے اپنی ذات کے متعلق جو کوتاہیاں کی ہیں اس پر ندامت کا اظہار کرنا چاہیے، اگر حقوق العباد ضائع کیے ہیں تو ان کی تلافی کرنی چاہیے اور اگر حقوق اللہ ضائع کیے ہیں تو اس کے لیے بھی اللہ سے بخشش طلب کرنی چاہیے۔ تبھی وہ اللہ کی رحمت کا مستحق پا سکتا ہے۔

سید ثاقب اکبر:

جی مفتی صاحب! قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے:

خلوص کے ساتھ اس کے راستے اور دین کے ساتھ مخلص ہو جاؤ پھر اس کو پکارو

یہ اہم بات ہے کہ انسان اللہ کو پکارنے سے پہلے خالص ہو جائے۔ خلوص کا ایک معنی یہ ہے اس کا خالص بندہ ہونا۔ جیسا کہ سورۃ اخلاص کے بارے میں ہے کہ اس میں خالص توحید بیان کی گئی ہے۔ یہاں بھی خدا کے مقابل جو دلوں میں غلاظتیں انھیں نکالنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم اللہ کے لیے خالص ہو کر اسے پکاریں گے تو وہ ہماری دعاوں کو قبول کرے گا۔

ارشاد رب العزت ہے: قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ　　اللہ نے حکم دیا ہے کہ انصاف سے کام لو۔

دعا کا پہلا مرحلہ ہی بندہ بننا ہے پھر اللہ سے ربط قائم کرنا ہے۔ ایک مقام پر نہایت واضح انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ دعا کے ساتھ عمل

صالح ضروری ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ (الشوری ۲۶)

وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے نہ فقط دعا قبول کرتا ہے بلکہ اپنے فضل سے ان کو مزید بھی عطا کرتا ہے۔ بقول شاعر

یہ طلب تو اپنی طرف سے ہے
یہ وہاں سے دیکھیے کیا ملے

اگر ہمارے دل میں خلوص ہے، ایمان ہے اور ساتھ عمل صالح ہے جو پرواز کی صلاحیت رکھتا ہے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ میں پھر زیادہ عطا کروں گا۔ وہ اپنی شان کے مطابق عطا کرتا ہے اور ہم اپنی فہم کے مطابق پکارتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ اے اللہ! مجھے اپنی شان کے مطابق عطا کر۔

مفتی صاحب! اهدنا الصراط المستقیم بھی ایک دعا ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ صراط المستقیم تاکید کے لیے ہے کیونکہ ''صراط'' بذات خود سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس میں استقامت کا پہلو بھی موجود ہے۔ یعنی انسان استقامت کا بھی تقاضا کر رہا ہے۔

مفتی امجد عباس:

قبلہ! دعا کے حوالے سے عدم توجہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے ہم نماز کے دوران میں یا بعد میں جو دعائیں مانگتے ہیں اس کا معنی اور مفہوم ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور ہمارا کام فقط مولوی صاحب کی دعا کے جواب میں آمین کہنا ہے۔ ماہ رمضان کی دعاؤں اور منقول دعاؤں کا اگر مفہوم نہیں معلوم تو انسان کیسے متوجہ ہو کر دعا کر سکتا ہے؟

سید ثاقب اکبر:

جی مفتی صاحب! یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ مولانا صاحب عربی میں دعا مانگ رہے ہیں اور ہم پیچھے آمین کہہ رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ مولانا نے کیا مانگا اور ہم نے کس بات پر آمین کہی۔ اسے دعا نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ روح دعا کے منافی ہے، اگر مولوی صاحب کی دعا آپ کو سمجھ نہیں آ رہی تو آپ خود اللہ سے جو من میں آتا ہے اور جس کی سمجھ آتی ہے، وہ مانگیں۔

مفتی امجد عباس:

قبلہ! لوگ سوال کرتے ہیں کہ منقول دعائیں جیسا کہ دعائے کمیل، دعائے ندبہ جن کی عربی ہمیں سمجھ نہیں آتی کا کیا ہم ترجمہ پڑھ سکتے ہیں؟

سید ثاقب اکبر:

مفتی صاحب! میں سمجھتا ہوں کہ ترجمہ سامنے رکھنا چاہیے، عربی الفاظ سے بھی مستفید ہوں اور ساتھ ترجمہ بھی پڑھیں۔ آپ کو مقامی زبانوں میں بھی خدا کو پکارنا چاہیے۔ یہ کس نے کہہ دیا کہ خدا فقط عربی سمجھتا ہے اور اسی زبان میں کی گئی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں بھی کہا کہ زبانوں کا اختلاف اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تو ہمیں اللہ سے زیادہ قرب کے ساتھ اور بے ساختگی سے اپنی مادری زبان میں دعا کرنا چاہیے۔ اسی لیے فقہا نے دعائے قنوت کے حوالے سے کہا ہے کہ آپ اسے اپنی مادری زبان میں بھی مانگ سکتے ہیں۔

طرز حکمرانی نہج البلاغہ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر روشن علی

نہج البلاغہ میں روش حکومت اور اس کی ضرورت واہمیت کے مسئلے کو خاص حکیمانہ روش سے بیان کیا گیا ہے۔امیر المومنین امام علی علیہ السلام خود حکومت کا عملی تجربہ کر رہے تھے اور اس کی مشکلات سے آگاہ تھے۔لہٰذا آپؑ نے اس موضوع پر عملی تجربات کی روشنی میں رہنمائی فرمائی ہے۔نہج البلاغہ میں امام علیہ السلام نے حکومت، حاکم اور عوام کے لیے بہت سے الفاظ اور اصطلاحات استعمال کی ہیں۔پھر امام علی علیہ السلام نے امام، والی اور ولی امر کے لیے کچھ فرائض بیان کیے ہیں اور حاکم ور عایا کے متقابل حقوق کو ذکر کرتے ہوئے روش حکومت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔آپؑ خوارج کے مغالطوں کے جواب میں واضح کرتے ہیں کہ کائنات پر اصلی حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے لیکن اس کے قوانین کے اجرا کے لیے کوئی حاکم ضروری ہے۔پھر حاکم کے فرائض بیان کرتے ہیں کہ حاکم اپنے آپ کو عوام کے غریب فرد کی زندگی پر رکھے۔عوام میں عدل وانصاف قائم کرنا اور تقسیم بیت المال میں برابری ومساوات قائم کرنا حکومت کی اولین ترجیح ہونی چاہیے کیونکہ حق کے سامنے تمام افراد برابر ہوتے ہیں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہوتی ہے۔اس مقالہ میں نہج البلاغہ سے روش حکومت اور اس کی ضرورت اور اس کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح امت کے تمام افراد میں عدل وانصاف قائم کرنے اور خصوصیت کے ساتھ غربا، مساکین اور بے سہارا لوگوں کے متعلق حکومت کی روش کو بیان کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: حکومت، حاکم، عوام، عدل وانصاف، مساوات، فرض، حقوق وغیرہ

(ا) حکومت کی ضرورت واہمیت

یہ خود ایک بحث ہے کہ کیا ایک انسانی سماج کے لئے حاکم وحکومت کا وجود ضروری چیز ہے یا نہیں؟ اس بحث سے نتیجہ اخذ کرنا اجتماعی وسماجی زندگی میں ضروریات سے ملتزم ہونے کے معنی میں ہے اور صرف اس بات میں منحصر نہیں ہے کہ ہم تسلیم کریں کہ سماج کے لئے حکومت ضروری ہے بلکہ ہماری بحث کا نتیجہ حاکمیت اور فرمانبرداری کی راہ وروش میں اور سماج کے چلانے میں بھی مخصوص مشخصات وخطوط کھینچے گا۔حضرت علی علیہ السلام نے جب خوارج کا قول لاحکم الا للہ سنا تو ان کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:

"كَلِمَةُ حَقٍّ يُرَادُ بِهَا بَاطِلٌ نَعَمْ إِنَّهُ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ وَ لٰكِنَّ هٰؤُلَاءِ يَقُولُونَ لَا إِمْرَةَ إِلَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّهُ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِي إِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ وَ يَسْتَمْتِعُ فِيهَا الْكَافِرُ وَ يُبَلِّغُ اللّٰهُ فِيهَا الْأَجَلَ وَ يُجْمَعُ بِهِ الْفَيْءُ وَ يُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ وَ تَأْمَنُ بِهِ السُّبُلُ وَ يُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوِيِّ حَتّٰى يَسْتَرِيحَ بَرٌّ وَ يُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ۔" (۱)

یہ جملہ تو صحیح ہے مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں وہ غلط ہے۔ہاں بے شک حکم اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت

بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ لوگوں کے لیے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا ہو۔ اگر حکومت نیک اور صالح ہوگی تو اس میں متقی و پرہیزگار انسان اچھے اعمال کرتا ہے۔ اگر حکومت فاجر ہوگی تو اس میں بدبخت لوگ جی بھر کر لطف اندوز ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کا زمانہ ختم ہوجائے اور موت انھیں پالے۔

اس خطبے میں امام علی علیہ السلام اس اہم نکتے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ امارت وحکومت کے درمیان کیا فرق ہے؟ حاکمیت مطلقہ تو صرف اللہ تعالی کے لیے ہے قانون اور اس کا نفاذ، امر و نہی اور معاشرے کی کلی سیاست کی تشکیل دراصل اللہ کی رضا اور اس کے حکم سے ہونی چاہیے لیکن امارت جو سربراہی، رہبری اور سرپرستی کے سوا کچھ نہیں، یہ ایسی چیز ہے جو اللہ کے بندوں کے سپرد کی گئی ہے اور کوئی معاشرہ اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ بہر حال اگر معاشرہ صالح ہوگا تو صالح اور صحیح حاکمیت کو قبول کرے گا اور اگر غیر صالح ہوگا اور رہبری کی تشخیص اس میں نہ ہوگی تو یہی امر، ظالم اور غیر صالح افراد کے تسلط کا باعث بن جائے گا۔ بہر حال حضرت علی علیہ السلام کے نظریہ کی روشنی میں بنیادی طور پر حاکمیت و رہبری کی ضرورت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پس کوئی بھی معاشرہ بغیر رہبر اور حاکم کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ چاہے وہ صالح اور قانونی ہو یا غیر صالح اور غیر قانونی ہو۔ کیونکہ اسی حاکم کے ذریعے امن اور امان قائم رہتا ہے، عدل اور انصاف قائم ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنا حق ملتا ہے اور ہر ایک کو عمل کی آزادی ملتی ہے چاہے وہ مؤمن ہو یا شقی اور بدبخت ہو یا کافر ہو۔ کیونکہ اگر کوئی بھی حاکم نہ ہو تو اس وقت فتنہ اور فساد بڑھ جائے گا اور معاشرے کا امن اور امان تباہ و برباد ہوجائے گا لہٰذا ہر صورت میں ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے جو اس فتنہ و فساد کو روک سکے۔

(۲) قیام حکومت کے مقاصد

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام قیام حکومت کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> یہ ہے وہ فرمان جس پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے، خدا کے بندے علیؑ امیر المؤمنین نے، مالک بن حارث اشتر کو جب مصر کا والی بنایا تا کہ وہ خراج جمع کریں دشمنوں سے جہاد کریں، رعایا کی فلاح و بہبود کا انتظام کریں اور شہروں کی آبادی کا انتظام کریں۔ (۲)

اس جملہ میں قیام حکومت کے چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) خراج جمع کرنا (۲) دشمن سے جہاد کرنا (۳) عوام کی فلاح و بہبود کا انتظام کرنا (۴) اور شہروں کی آبادکاری کا انتظام کرنا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر امیر المومنین علی علیہ السلام قیام حکومت کے مقاصد یوں بیان کرتے ہیں:

> تمھارا میرے اوپر حق یہ ہے کہ میں تمھاری خیرخواہی پیش نظر رکھوں۔ اور بیت المال سے تمھیں پورا پورا حصہ دوں۔ اور تمھیں تعلیم دوں تا کہ تم جاہل نہ رہو۔ اور اس طرح تمھیں تہذیب سکھاؤں جس پر تم عمل کرو۔ (۳)

اس سے قیام حکومت کے چار اور مقاصد واضح ہو رہے ہیں وہ یہ ہیں: ۱۔ عوام کی بھلائی چاہنا ۲۔ بیت المال میں مساوات قائم کرنا ۳۔ عوام کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرنا ۴۔ عوام کو تہذیب و ثقافت سکھانا۔

اس کے ساتھ عوام کی جان و مال کی حفاظت، دین کا احیا، اسلامی اقدار کا تحفظ بھی قیام حکومت کے مقاصد میں سے بیان کئے گئے ہیں طوالت کی وجہ سے ان کے حوالہ جات سے احتراز کیا گیا ہے۔

(۳) حکومت کی قانونی حیثیت (جمہوریت)

حکومت کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ اس میں عام لوگوں کی رضا ہو اور حکومت چلانے کے لیے مددگار موجود ہوں:

اَمَا وَ الَّذِی فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَ بَرَأَ النَّسَمَۃَ لَوْ لَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَ قِیَامُ الْحُجَّۃِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ وَ مَا أَخَذَ اللّٰہُ عَلَی الْعُلَمَاءِ أَلَّا یُقَارُّوا عَلَی کِظَّۃِ ظَالِمٍ وَ لَا سَغَبِ مَظْلُومٍ لَأَلْقَیْتُ حَبْلَھَا عَلَی غَارِبِھَا وَ لَسَقَیْتُ آخِرَھَا بِکَأْسِ أَوَّلِھَا۔ (۴)

دیکھو! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں، اگر لوگوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو چکی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی بھوک پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر رکھ دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا۔

اس خطبے سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت کو اس وقت قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے جب اس کی تائید و حمایت کرنے والے عام لوگ یعنی عوام موجود ہوں۔ اس جملے سے جمہوریت واضح ہوتی ہے یعنی امیر المومنین علی علیہ السلام جمہوری حکومت کو جس میں حاکم کی اہلیت کے ساتھ عوام کی رضایت و تائید ہو تو قانونی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام خلافت قبول کرنے کی تین وجوہات بیان فرماتے ہیں:

ایک یہ کہ کثیر تعداد میں لوگوں کا حاضر ہونا اور مددگاروں کا موجود ہونا، دوسرا خدا کا علماء سے قیام حکومت کا وعدہ ہے یعنی علماء نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مظلوم کی مدد کرنے میں کوتاہی و سستی نہ کریں جب بھی انھیں موقع ملے تو وہ ظالم کو ظلم سے روکیں اور مظلوم کی مدد کریں۔ یہ کام قیام حکومت کے بغیر مشکل ہے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام منصوص من اللہ ہونے کے باوجود عوام اور مددگاروں کی موجودگی کو قبول حکومت کا سبب بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی میں اہلیت نہ ہو اور عوام اس کو منتخب کرے تو بھی اس کی حکومت قانونی نہیں ہوگی۔ پس حکومت کو قانونی حیثیت اس وقت ملتی ہے جب عوام اس کی تائید و حمایت کرے اور اس کے اندر حکومت کرنے کی اہلیت بھی ہو۔ اگر عوام کسی کی حکومت کو قبول نہ کرے اور نہ ہی اس کی مدد و تائید کرے تو اس کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

(۴) عوام کے متعلق حضرت علیؑ کی فکر اور عمل

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ہمیشہ عوام کی فکر ہوا کرتی تھی۔ جب آپؑ کے گورنر عثمان بن حنیف ایک ایسی دعوت میں گئے تھے جس میں غربا اور مساکین کو دعوت نہیں تھی تو آپؑ نے اس بات کو ناپسند کیا اور ارشاد فرمایا:

حجاز و یمامہ میں شاید ایسے بھی لوگ ہوں کہ جنھیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو، اور انھیں پیٹ بھر کھانا کبھی نصیب نہ

ہوا ہو۔ کیا میں اپنا پیٹ بھر کر سویا رہوں اس حالت میں کہ میرے گرد بھوکے اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں۔ کیا میں کسی شاعر کے اس شعر کا مصداق بن سکتا ہوں؟: تیری بیماری کے لیے یہی کافی ہے کہ تو پیٹ بھر کر سو جائے، اور تیرے اطراف میں وہ جگر بھی ہوں جو سوکھے چمڑے کو بھی ترس رہے ہوں۔ (۵)

اسی طرح مزید ارشاد فرماتے ہیں:

کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المؤمنین کہا جاتا ہے؟ مگر میں زمانے کی سختیوں میں مؤمنوں کا شریک نہ بنوں اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لیے نمونہ نہ بنوں۔ میں اس لیے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں۔ اس بندھے ہوئے چوپائے کی طرح جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر لگی رہتی ہے یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے، وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے۔ (۶)

ان دونوں فرامین سے عوام کے متعلق امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۵) ظلم سے پرہیز

امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ رعیت پر معمولی سا ظلم بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس کے متعلق آپؑ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اللهِ لَأَنْ أَبِيتَ عَلَى حَسَكِ السَّعْدَانِ مُسَهَّداً أَوْ أُجَرَّ فِي الْأَغْلَالِ مُصَفَّداً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَلْقَى اللهَ وَ رَسُولَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظَالِماً لِبَعْضِ الْعِبَادِ وَ غَاصِباً لِشَيْءٍ مِنَ الْحُطَامِ وَ كَيْفَ أَظْلِمُ أَحَداً لِنَفْسٍ يُسْرِعُ إِلَى الْبِلَى قُفُولُهَا وَ يَطُولُ فِي الثَّرَى حُلُولُهَا (۷)

خدا کی قسم! اگر مجھے سعدان کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنی پڑے اور مجھے زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جائے تو یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں خدا اور اس کے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے خدا کے بندوں پر ظلم کیا ہو یا مالِ دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو اور میں اس نفس کی آسودگی کے لیے کسی پر کیونکر ظلم کر سکتا ہوں جو فنا کی طرف پلٹنے والا ہے اور مدتوں مٹی کی تہوں میں پڑا رہے گا۔

حضرت علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ظلم و تعدی کے بارے میں اپنا موقف بیان کرتے ہیں:

خدا کی قسم! اگر ہفت اقلیم جو آسمان کے نیچے ہیں مجھے دے دیے جائیں اس بدلے میں کہ میں اللہ کی اتنی نافرمانی کروں کہ چیونٹی کے منہ سے جو کا چھلکا چھینوں تو بھی ہرگز نہیں کروں گا۔ (۸)

(۶) عوام اور اس کے طبقات

حضرت علی علیہ السلام رعیت کے طبقات یوں بیان کرتے ہیں:

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رعیت و عوام میں کئی طبقات ہیں، جن کی فلاح و بہبود ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے

اور وہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک طبقہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کام آنے والے فوجیوں کا ہے، دوسرا طبقہ وہ جو عمومی اور خصوصی تحریروں کا کام انجام دیتا ہے، تیسرا طبقہ انصاف کرنے والے قاضی اور جج ہیں، چوتھا طبقہ حکومت کے وہ عمال ہیں جن سے امن اور انصاف قائم ہوتا ہے، پانچواں طبقہ جزیہ اور خراج دینے والے لوگوں کا ہے چاہے وہ غیر مسلم ذمی ہوں یا مسلمان ہوں، چھٹا طبقہ تاجروں اور صنعت کاروں کا ہے، ساتواں طبقہ سب سے پست اور حاجتمند فقیروں اور مسکینوں کا ہے۔ اللہ نے ہر ایک کا حق متعین کر دیا ہے اور اپنی کتاب یا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی حد بندی کر دی ہے اور وہ مکمل دستور ہمارے پاس موجود ہے۔(۹)

(۷) حکومت و عوام

حضرت علی علیہ السلام حکومت کو عوام کے ساتھ بہترین طریقے سے پیش آنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

عوام میں دو قسم کے لوگ ہیں یا تو تمھارے دینی بھائی ہیں یا تمھاری جیسی مخلوق جو اقلیتی غیر مسلم ہیں۔ ان سے لغزشیں بھی ہونگی اور خطاؤں سے بھی انھیں سابقہ پڑے گا اور ان کے ہاتھوں سے عمداً یا سہواً غلطیاں بھی ہوں گی تم ان سے اسی طرح عفو و درگذر سے کام لینا جس طرح اللہ سے اپنے لیے عفو و درگزر کو پسند کرتے ہو۔(۱۰)

امیر المومنین علی علیہ السلام حکومت و عوام کے حقوق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اور سب سے بڑا حق کہ جسے اللہ سبحانہ نے فرض کیا ہے، وہ ہے حکمران کا حق رعیت پر اور رعیت کا حق حکمران پر کہ جسے اللہ نے حکمران اور رعیت میں سے ہر ایک پر فرض کیا ہے۔ حکمران اور رعیت کے حق کو اس لیے بڑا اقرار دیا ہے کہ اسے رابطہ محبت اور دین کو سرفرازی بخشنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ پس رعیت کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک حکام صالح نہ ہوں۔ اور حکام بھی اسی وقت اصلاح سے آراستہ ہو سکتے ہیں جب تک رعیت ان کے احکام کی انجام دہی کے لیے آمادہ ہو۔(۱۱)

پس جب رعیت حکمران کے حقوق پورے کرے اور حاکم رعیت کے حقوق پورے کرے تو ان میں حق قائم ہوگا، دین کی راہیں، عدل اور انصاف کے نشانات برقرار ہو جائیں گے، سنتیں اپنے طریقے پر چل نکلیں گی، زمانہ سدھر جائے گا، بقائے سلطنت کی توقعات پیدا ہو جائیں گی اور دشمنوں کی حرص و طمع مایوسی میں بدل جائے گا۔

(۸) غربا، فقرا، مساکین اور بے سہارا لوگوں کی فکر

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام غربا، مساکین اور بے سہارا لوگوں کا خود بھی خیال رکھتے تھے اور اپنے گورنروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے:

خصوصیت کے ساتھ اللہ کا خوف کرنا، پس ماندہ طبقے کے بارے میں جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، وہ مسکینوں، محتاجوں،

فقیروں اور معذوروں کا طبقہ ہے۔ ان میں کچھ تو ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کی صورت ہی سوال ہوتی ہے ۔اللہ کی خاطر ان بے کسوں کے بارے میں ان کے اس حق کی حفاظت کرنا جس کا اللہ نے تمھیں ذمہ دار بنایا ہے۔ ان کے لیے ایک حصہ بیت المال سے معین کر دینا اور ایک حصہ شہر کے اس غلے میں سے دینا جو اسلامی غنیمت کی زمینوں سے حاصل ہوا ہو، کیونکہ اس میں دور والوں کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا نزدیک والوں کا ہے۔ اور تم ان سب کے حقوق کی نگہداشت کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۔ لہٰذا تمھیں دولت کی سرمستی کہیں غافل نہ کر دے۔ پس کسی معمولی بات کو اس لیے نظر انداز نہیں کیا جائے گا کہ تم نے بہت سے اہم کاموں کو پورا کر دیا ہے لہٰذا اپنی توجہ ان سے نہ ہٹانا، نہ تکبر کے ساتھ ان کی طرف سے اپنا رخ پھیر لینا اور نہ ہی اپنی توجہ ان سے ہٹانا۔ خصوصیت کے ساتھ خبر رکھو ایسے افراد کی جو تم تک پہنچ نہ سکتے ہوں جنھیں آنکھیں دیکھنے سے کراہت کرتی ہوں گی اور لوگ انھیں حقارت سے ٹھکراتے ہوں گے۔(۱۲)

اگر حکمرانوں کو حکومت کے دیگر معاملات کی مصروفیت کی وجہ سے دور دراز علاقوں میں جا کر ایسے افراد کی خبر گیری کرنا مشکل ہو تو اس کام کے لیے ہر علاقہ میں باوثوق اور خوفِ خدا رکھنے والے افراد کو معین کیا جائے جو حکومت تک صحیح اطلاعات پہنچاتے رہیں۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

پس تم ان کے لیے اپنے کسی بھروسے کے آدمی کو جو خوفِ خدا رکھنے والا اور متواضع ہو مقرر کر دینا کہ وہ ان کے حالات تم تک پہنچاتا رہے۔ پھر ان کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرنا جس کے لیے قیامت کے دن اللہ کے سامنے حجت پیش کر سکو۔(۱۳)

(۹) ملازمین اور ان کی تنخواہ

امیر المومنین علی علیہ السلام ملازمین کی تنخواہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان کی تنخواہوں کا معیار بلند رکھنا کیونکہ اس سے انہیں اپنے نفوس کے درست رکھنے میں مدد ملے گی اور اس مال سے بے نیاز رہیں گے جو ان کے ہاتھوں میں بطور امانت ہوگا۔ اس کے بعد بھی وہ تمھارے حکم کی خلاف ورزی یا امانت میں رخنہ اندازی کریں، تو تمھاری حجت ان پر تمام ہوگی۔(۱۴)

(۱۰) حضرت علی علیہ السلام کا اپنے گورنروں کو عدل اور انصاف کا حکم

امام علی علیہ السلام کے خطبوں، خطوط اور اقوال میں عدل اور انصاف کا حکم موجود ہے آپؑ اپنے تمام گورنروں کو عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ جب زیاد ابن ابیہ کو عبداللہ ابن عباس کی قائم مقامی میں فارس اور اس کے ملحقہ علاقوں کا گورنر مقرر کیا تو اسے یہ ارشاد فرمایا:

عدل کی روش پر چلو بے راہ روی اور ظلم سے کنارہ کشی کرو کیونکہ بے راہ روی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انھیں گھر بار چھوڑنا پڑے گا اور ظلم انھیں تلوار اٹھانے پر مجبور کرے گا۔(۱۵)

ایک اور مقام پر اپنے گورنر مالک اشتر کو ارشاد فرمایا:

اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اورانسانوں سے متعلق انصاف کرتے رہنا۔عدل و انصاف نہ کرنا ظلم ہے، پس اگرتم نے انصاف نہ کیا تو ظالم ٹھہروگے اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا دشمن بن جاتا ہے اور جس کا اللہ دشمن ہو وہ اس کی ہر دلیل کو کچل دیتا ہے اور اللہ اس سے برسر پیکار رہے گا، یہاں تک کہ وہ باز آجائے اور توبہ کرلے اور اللہ کی نعمتوں کو سلب کرنے والی اوراس کی عقوبتوں کو جلد بلاوا دینے والی کوئی چیز اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ظلم وستم پر باقی رہا جائے۔ بے شک اللہ مظلوموں کی پکار سنتا ہے اور ظالموں کے لیے موقع کا منتظر رہتا ہے۔(۱۶)

ظالم سے مظلوم کا حق لینا اور اسے حق کے راستے پر لے آنا حاکم اسلامی کی ذمہ داری ہے جس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

خدا کی قسم میں مظلوم کا حق ظالم سے لوں گا اور ظالم کو گریبان سے پکڑ کر اسے حق کے راستے پر لے آؤں گا چاہے اسے برا ہی کیوں نہ لگے۔(۱۷)

(۱۱) تقسیم بیت المال میں عدل ومساوات

امیر المؤمنین علی ابن طالب علیہ السلام جب ظاہری خلافت کو اپنے ہاتھوں میں سنبھالا بیت المال کی تقسیم میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق جس شہر میں جو مال جمع ہوتا اسی شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دیتے اور اگر وہاں سے کچھ بچ کر آتا تو بیت مال میں سمیٹ رکھنے کے بجائے اسے مستحقین میں تقسیم کر کے بیت المال خالی کر دیتے:

آپؑ نے یہ نوبت نہیں آنے دی کہ رات گزاریں اور مال بیت المال میں پڑا رہے بلکہ رات سے پہلے اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے۔البتہ اگر کوئی مانع ہوتا تو صبح ہونے دیتے۔(۱۸)

امیر المؤمنین علیہ السلام بیت المال کی تقسیم میں اعلی وادنی ،قریشی وغیر قریشی ،آزاد وغلام سب کا حق مساوی سمجھتے تھے۔رنگ ونسل اور قومیت ووطنیت کی بنا پر امتیاز گوارا نہ کرتے تھے اور یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں سب امتیازات ختم کر دوں گا۔عقیل نے یہ اعلان سنا تو حضرت سے کہا کہ آپ مجھے اور مدینہ کے ایک حبشی غلام کو ایک سطح پر رکھیں گے؟ تو حضرت نے انھیں فرمایا:''بیٹھو خدا تم رحم کرے اگر تم کو ان پر فضیلت ہو سکتی ہے تو تقوی کی بنا پر (نہ کہ بیت المال کی تقسیم میں۔)''(۱۹)

ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس دو عورتیں آئیں ایک عربیہ تھیں اور ایک کنیز۔حضرت نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو پچیس پچیس درہم عطا کئے تو ایک نے کہا میں عربیہ اور آزاد ہوں اور یہ غیر عربیہ اور کنیز ہے، آپ نے ہم دونوں کو ایک ہی درجہ پر سمجھ لیا حالانکہ میں مرتبے کے اعتبار سے بلند تر ہوں۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''إِنِّي لَا أَجِدُ لِبَنِي إِسْمَاعِيلَ فِي هَذَا الْفَيْءِ فَضْلًا عَلَى بَنِي إِسْحَاقَ۔''

میرے مطابق اس مال مین اولاد اسماعیلؑ کو اولاد اسحاق پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

میرے علم میں نہیں کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہو مگر اسے جو طاعت و تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو۔(۲۰)

ایک مرتبہ سہل ابن حنیف اپنے حبشی غلام کو لے کر حضرت کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یہ بیت المال میں سے اپنا حصہ لینے کے لیے آیا ہے، آپ اسے کیا دیں گے؟ فرمایا کہ تمھیں کیا ملا ہے کہا کہ سب کو تین تین دینار ملے ہیں۔فرمایا کہ اسے بھی تین دینار دیے جائیں گے۔(۲۱)

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر جب بیت المال کی تقسیم میں برابری و مساوات کا اصول برتنے پر کچھ لوگ ناراض ہوئے تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

> کیا تم مجھ پر یہ چاہتے ہو کہ میں جن لوگوں کا حاکم ہوں ان پر ظلم و زیادتی کر کے (کچھ لوگوں کی) امداد حاصل کروں؟ تو خدا کی قسم! جب تک دنیا کا قصہ چلتا رہے گا اور کچھ ستارے دوسرے ستاروں کی طرف جھکتے رہیں گے، میں اس چیز کے قریب بھی نہیں بھٹکوں گا۔اگر چہ یہ خود میرا مال ہوتا تب بھی میں اسے سب میں برابر تقسیم کرتا، چہ جائیکہ یہ مال اللہ کا ہے۔ دیکھو! بغیر کسی حق کے مال عطا کرنا بے اعتدالی اور فضول خرچی ہے۔ یہ اپنے مرتکب کو دنیا میں بلند کر دیتی ہے، لیکن آخرت میں پست کرتی ہے۔لوگوں کے اندر عزت میں اضافہ کرتی ہے، مگر اللہ کے نزدیک ذلیل کرتی ہے۔جو شخص بھی مال کو بغیر کسی استحقاق کے یا نا اہل افراد کو دے گا خدا ان کے شکر کو بھی ان پر حرام قرار دے گا اور ان کی دوستی و محبت بھی دوسروں ہی کے حصہ میں چلی جائے گی۔اگر کسی دن اس کے پیر پھسل جائیں یعنی (یعنی فقر و تنگدستی اسے گھیر لے) اور ان کی امداد کا محتاج ہو جائے تو وہ اس کے لیے بہت ہی بُرے ساتھی اور کمینے دوست ثابت ہوں گے۔(۲۲)

امیر المؤمنین کی بلند نفسی اس کی قطعا روادار نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ قرابت و عزیز داری کی بناء پر اپنے نظریہ تقسیم بیت المال میں تبدیلی پیدا کریں اور جانبداری سے کام لے کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے امتیازی برتاؤ روا رکھیں خواہ بہن ہو یا بھائی، بیٹا ہو یا بیٹی۔آپؑ نے تقسیم بیت المال میں وہی طرز عمل اختیار کیا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔نہ بیت المال میں مال جمع کر رکھا اور نہ تقسیم میں رنگ و نسل کا امتیاز کیا بلکہ عدل و مساوات کے جو پیمانے وضع کئے اور حق و انصاف کے جو معیاری نمونے پیش کئے دنیا اس کی مثال پیش کرنے قاصر ہے

(۱۲) حضرت علی علیہ السلام کا عاملین زکوٰۃ اور گورنروں سے حساب لینا

حضرت علی علیہ السلام اپنے کچھ عاملین زکوٰۃ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> مجھے تمھارے متعلق ایک ایسے امر کی اطلاع ملی ہے کہ اگر تم اس کے مرتکب ہوئے ہو تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کیا، اور امام کی نافرمانی کی اور اپنی امانتداری کو بھی رسوا کیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے زمین کو صفاچٹ کر میدان کر دیا ہے، اور جو کچھ تمھارے پاؤں تلے تھا اس پر قبضہ جما لیا ہے اور جو کچھ تمھارے ہاتھوں میں تھا اسے نوش جان کر لیا ہے تو تم ذرا اپنا حساب مجھے بھیج دو اور یقین رکھو کہ انسانوں کے حساب سے اللہ کا حساب کہیں زیادہ سخت ہوگا۔(۲۳)

حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر اشعث ابن قیس کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تمھارے ہاتھوں میں خدائے بزرگ و برتر کے اموال میں سے ایک مال ہے اور تم اس وقت تک اس کے خزانچی ہو جب

تک میرے حوالے نہ کردو بہرحال میں غالباً تمھارے لیے برا حکمران تو نہیں ہوں۔(۲۴)

اپنے ایک اور گورنر مصقلہ کو بھی تنبیہ کرتے ہیں۔(۲۵)

(۱۳) حضرت علیؑ کی بیت المال پر نگرانی

حضرت علی علیہ السلام اسلامی حکمران کی مختلف ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہیں جن میں ایک اہم ذمہ داری مسلمانوں کے لیے بیت المال کی جمع آوری ہے، جس کی نگرانی حاکم ہی کرتا ہے اسکے علاوہ کوئی اور نہیں کرسکتا کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

میرے لیے مناسب نہیں کہ میں لشکر، شہر، بیت المال، زمین کے خراج کی فراہمی، مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ اور مطالبہ کرنے والوں کے حقوق کی دیکھ بھال چھوڑ دوں اور لشکر لیے ہوئے دوسرے لشکر کے پیچھے نکل کھڑا ہوں۔ جس طرح خالی ترکش میں بے پیکاں کا تیر ہلتا جلتا ہے، جنبش کھاتا رہوں۔ میں چکی کے اندر کا وہ قطب ہوں کہ جس پر وہ گھومتی ہے۔ جب تک میں اپنی جگہ پر ٹھہرا رہوں گا اور اگر میں نے اپنا مقام چھوڑ دیا تو اس کے گھومنے کا دائرہ متزلزل ہو جائے گا۔(۲۶)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

تمھارے پاس اللہ کا جو مال جمع ہوا ہے اسے اپنی طرف کے حاجتمندوں اور غریبوں پر خرچ کرو اور فقر و فاقے کا شکار اور ضرورتمندوں کی تلاش کرو۔ اس سے جو کچھ بچ رہے، ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم اپنی طرف والوں پر تقسیم کریں۔(۲۷)

امام علی علیہ السلام اپنے کارندوں کی تمام حرکات و سکنات اور رفتار و کردار، حتّٰی کہ معمولی مسائل پر بھی نگرانی کرتے تھے اور ان سے جواب طلب کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام نے والی بصرہ عثمان بن حنیف سے کہ جو بصرہ کے ایک ایسے امیر فرد کی دعوت میں شریک ہوئے تھے جس میں صرف امیر لوگ مدعو تھے اور غریب لوگوں کو کوئی دعوت نہیں تھی فرمایا:

اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک شخص نے تمھیں کھانے پر بلایا تو تم لپک کر پہنچ گئے کہ رنگارنگ کے عمدہ عمدہ کھانے تمھارے لیے چن چن کر لائے جا رہے تھے، اور بڑے بڑے پیالے تمھاری طرف بڑھائے جا رہے تھے مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرلو گے کہ جن کے یہاں سے فقیر و نادار دھتکارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں، جو لقمے چباتے ہو، انھیں دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اسے چھوڑ دیا کرو اور جسے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ۔(۲۸)

(۱۴) حضرت علیؑ کی ذات گرامی حکمرانوں کے لیے ایک بہترین نمونہ عمل ہے

علی علیہ السلام کا ایک دوست علاء ابن زیاد بصرہ میں رہتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو آپ علیہ السلام اس کی عیادت کے لیے گئے تو علاء نے آپ علیہ السلام کو اپنے بھائی کی شکایت کی کہ اس نے تو بالوں کی چادر اوڑھ لی ہے اور دنیا سے بالکل بے لگاؤ ہو گیا ہے تو آپ علیہ السلام نے اسے سمجھایا تو اس پر اس شخص نے کہا:

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا أَنْتَ فِي خُشُونَةِ مَلْبَسِكَ وَ جُشُوبَةِ مَأْكَلِكَ۔ (۲۹)

یا امیر المؤمنینؑ آپؑ کا پہناوا بھی تو اجھوٹا موٹا ہوتا ہے اور کھانا روکھا سوکھا ہے۔

تو اس کے جواب میں فرمایا:

"قَالَ وَيْحَكَ إِنِّي لَسْتُ كَأَنْتَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَى أَئِمَّةِ الْعَدْلِ أَنْ يُقَدِّرُوا أَنْفُسَهُمْ بِضَعَفَةِ النَّاسِ كَيْلَا يَتَبَيَّغَ بِالْفَقِيرِ فَقْرُهُ۔" (۳۰)

تم پر حیف ہے میں تمھاری طرح نہیں ہوں اللہ نے عادل اماموں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تا کہ فقیر لوگ اپنے فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائیں۔

آپ علیہ السلام اپنے گورنر عثمان بن حنیف کو تنبیہ کرنے کے بعد انہیں اپنی حالت و کیفیت کے بارے میں بتاتے ہیں:

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مقتدی کا ایک امام ہوتا ہے، جس کی وہ پیروی کرتا ہے، اور جس کے نور علم سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ دیکھو! تمھارے امام کی حالت تو یہ ہے کہ اس نے دنیا کے ساز و سامان میں سے دو چادروں اور کھانے میں سے دو روٹیوں پر قناعت کر لی ہے۔ (۳۱)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

خدا کی قسم میں نے تمھاری دنیا سے سونا سمیٹ کر نہیں رکھا اور نہ اس کے مال و متاع میں سے انبار جمع کر رکھے ہیں اور نہ ان کپڑوں کے بدلے میں کوئی اور کپڑے مہیا کیے ہیں۔ (۳۲)

اسی طرح مزید ارشاد فرماتے ہیں:

اگر میں چاہتا تو صاف ستھرے شہد، عمدہ گیہوں اور ریشم کے بنے ہوئے کپڑوں کے لیے ذرائع مہیا کر سکتا تھا۔ ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشیں مجھے مغلوب بنا لیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے چن لینے کی دعوت دے۔ (۳۳)

نتیجہ:

اس بحث سے ثابت ہوا کہ امام علی علیہ السلام کی نظر میں اس حکومت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جس میں عدل و انصاف نہ ہو اور عوام پر ظلم و زیادتی کی جاتی ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام ظلم سے اتنی نفرت کرتے تھے کہ معمولی ظلم کے بدلے ایک سخت کانٹے دار جھاڑی پر سونے اور زنجیروں میں جکڑ کر گھسیٹے جانے کو تو پسند کرتے ہیں یہاں تک کے ٹڈی کے منہ سے جَو کے چھلکے کو جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، چھیننے کے بدلے اس پوری دنیا کی حکومت دی جائے تو بھی قبول نہیں کرتے کیونکہ آپؑ مجسمہ عدل و انصاف تھے۔ آپؑ نے تقسیم بیت المال میں اپنے اور غیر میں دوست اور دشمن میں کوئی فرق نہیں رکھا تمام رعیت میں مساوات اور برابری قائم کی۔ دنیا کے حاکموں کے لیے اپنے آپ کو امیر المومنین علیہ السلام نے نمونہ کے طور پر پیش کیا اور کہا کہ حکام اپنے آپ کو تمام رعیت میں سے غریب ترین افراد کی زندگی کی طرح رکھیں اور اس دنیا سے جاتے ہوئے کوئی دنیا کا ذخیرہ نہ کریں۔ مولا علی علیہ السلام نے اپنے عمل سے یہ سب کچھ ثابت کر دیا کاش! کہ دنیا کے حکام اس سے سبق سیکھتے کہ عدل و انصاف کا نمونہ بنتے اور ظلم و زیادتی سے پرہیز کرتے۔

حوالہ جات

(۱) نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین، ناشر ادارہ منہاج الصالحین لاہور، بدون طبع صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۰ (۲) نہج البلاغہ مکتوب ۵۳، صفحہ ۵۷۰

(۳) خطبہ ۳۴، صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۳

(۴) خطبہ ۳، ص ۶۶

(۵) مکتوب ۴۵، صفحہ ۵۵۷

(۶) مکتوب ۴۵، صفحہ ۵۵۷

(۷) خطبہ ۲۲۱، صفحہ ۴۶۸

(۸) ایضا صفحہ ۴۶۹

(۹) مکتوب ۵۳، صفحہ ۵۷۶

(۱۰) ایضا صفحہ ۵۷۱

(۱۱) خطبہ ۲۱۴، صفحہ ۵۴۲

(۱۲) مکتوب ۵۳، صفحہ ۵۸۴ تا ۵۸۵

(۱۳) ایضا صفحہ ۵۸۵

(۱۴) مکتوب ۵۳، صفحہ ۵۸۰ تا ۵۸۱

(۱۵) قول ۴۷۶

(۱۶) مکتوب 53 صفحہ ۵۷۲

(۱۷) خطبہ ۱۳۴، صفحہ ۲۷۷

(۱۸) مناقب اہل البیت، المولی حیدر الشیر وانی، ص ۲۱۹، طبع ۱۴۱۴ھ، المطبعۃ: المنشورات الاسلامیۃ

(۱۹) (الکافی جلد ۸، صفحہ ۱۸۲ / وسائل الشیعہ، جلد ۱۵ صفحہ ۱۰۵ / مجموعہ ورام، جلد ۲، صفحہ ۱۵۱)

(۲۰) (الغارات، جلد ۱، صفحہ ۴۶ / وسائل الشیعہ جلد ۱۵، ۱۰۷ / بحار الانوار، جلد ۳۴، صفحہ ۳۵۰)

(۲۱) مفتی جعفر حسین: سیرت امیر المؤمنین، جلد اول، ص ۴۳۶، ناشر امامیہ کتب خانہ مغل حویلی لاہور۔

(۲۲) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۴، صفحہ ۲۶۲

(۲۳) (کتاب ۴۰، صفحہ ۵۵۰)

(۲۴) کتاب ۵، صفحہ ۴۹۰

(۲۵) (کتاب ۴۳، صفحہ ۵۵۳ تا ۵۵۴

(۲۶) خطبہ ۱۱۷، صفحہ ۲۴۹

(۲۷) مکتوب ۶۷، صفحہ ۶۰۷

(۲۸) مکتوب ۴۵، صفحہ ۵۵۵ تا ۵۵۶

(۲۹) خطبہ ۲۰۷، صفحہ ۴۳۹

(۳۰) ایضا

(۳۱) مکتوب ۴۵، صفحہ ۵۵۶

(۳۲) مکتوب ۴۵ صفحہ ۵۵۶

(۳۳) مکتوب ۴۵ صفحہ ۵۵۷

عظمتِ قرآن

(قرآن اور معصومینؑ کی نگاہ میں)

حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری

قرآن ہی وہ لاریب کتاب ہے کہ جس کا دعویٰ ہے کہ کسی میں بھی اس کی مثل لانے کی طاقت نہیں ہے یہاں تک کہ تمام جن وانس مل کر بھی کوشش کریں تو اس کی مثال لانے سے قاصر رہیں گے۔ ارشاد ہے:

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَ لَوۡ کَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا

کہہ دیجئے! اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل لا نہیں سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ (۱)

پورے قرآن کی مثل لانا تو درکنار اس جیسی دس سورتیں بھی لانے سے ناتواں ہیں۔ ارشاد ہے:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن کو) خود بنا دیا ہے کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو تو اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا لاؤ۔ (۲)

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن جیسا ایک سورہ بھی نہیں لا سکتے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دیجئے: اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو تو تم بھی اس طرح کا ایک (ہی) سورہ بنا لاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو بلا لاؤ۔ (۳)

قرآن مجید کا قیامت تک کھلا چیلنج ہے کہ اس جیسی کتاب، دس سورتیں یا ایک ہی سورہ لے آؤ۔ قرآن مجید اس کتاب کے جواب نہ لانے کی قدرت کو اس کتاب اور کتاب کے لانے والے رسولؐ کے خدائی ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۪ وَ ادۡعُوۡا شُهَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۝۲۳ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ

اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں شبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا کوئی ایک سورہ لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حامیوں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آتش سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ یہ آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (۴)

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ خود قرآن مجید نے اپنے معجزہ ہونے کی خبر دی ہے اور اس کتاب کو لانے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کتاب کے ابدی ہونے اور اپنی رسالت کی حقانیت پر جاودانی معجزہ قرار دیا ہے۔ آج چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی مختلف وسائل کے ذریعہ ہر دوست و دشمن کے کانوں تک اس کے پیغامات پہنچ رہے ہیں اور اس طرح انسانوں پر حجت قائم ہو رہی ہے۔

آج جب دنیا کی ظالم طاقتوں نے اپنے جبری تسلط کی راہ میں اسلام کو سب سے بڑے دشمن کے عنوان سے قرار دیا ہے اور اس سے مقابلہ کے لیے اپنی پوری توانائی کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی ہے۔ تمام مالی، سیاسی، تبلیغاتی اور علمی امکانات کو اکٹھا کر لیا ہے۔ اگر ان لوگوں میں اتنی طاقت ہوتی کہ قرآن کی صرف ایک سورہ کی مانند عبارت بنا لیتے تو اپنے وسائل تبلیغی کے ذریعے دنیا کے ہر کونے میں اعلان کر دیتے کہ ہم نے قرآن جیسا سورہ بنا لیا ہے، اس لیے کہ اسلام سے مقابلہ کے لیے، یہ آسان ترین راستہ ہے۔

لہٰذا اگر انسان سمجھدار اور باشعور ہو تو ایسے قرائن اور حالات کو دیکھتے ہوئے مان لے گا کہ قرآن مجید ایک لاثانی اور جاودانی کتاب ہے۔ کوئی فرد یا جماعت تعلیم و تدریس یا تمرین کے ذریعے اس جیسی کتاب نہیں لا سکتی۔ یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور دین اسلام کی حقانیت پر دلیل قاطع ہے اور بشر کے لیے اس سے عظیم نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند عالم نے اسے اس طرح نازل کیا ہے کہ تا ابد معجزہ بنی رہے نیز اپنی صداقت کی دلیل سے سرفراز رہے وہ بھی ایسی دلیل کہ جس کی دلالت کو سمجھنے کے لیے زیادہ تعلیم اور مہارت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہر شخص ذی فہم کے لیے قابل فہم ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود خداوند عالم نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾

اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (۵)

اس آیت میں پورے تاکیدی لفظوں کے ساتھ متکلم کی تین ضمیریں (انا، نحن، نزلنا) لا کر فرمایا کہ اس ذکر کو ہم نے خود نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی محافظت کریں گے۔ چنانچہ آج اس کی محافظت ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمانی کتابوں میں صرف قرآن مجید لفظ بہ لفظ محفوظ ہے بلکہ طرز و طریقہ تحریر تک میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ قرآن مسلمان کے ہاتھوں دست بدست تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح جنگ اُحد یا فتح مکہ کا واقعہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں ہر قسم کے باطل کے داخل ہونے کی تردید کی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ﴾

باطل نہ اس کے سامنے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔ (۶)

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جس باطل کے داخل ہونے کی تردید کی ہے، اس کا مطلب اس قسم کا باطل ہے جو قرآن کی توہین کا باعث بنے، چونکہ قرآن کے الفاظ میں کمی و بیشی کرنا اس کی بے احترامی و توہین ہے، لہٰذا باطل سے محفوظ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس مقدس کتاب میں ہرگز کسی قسم کی کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوئی نیز چونکہ آج بھی قرآن مجید فصاحت و بلاغت کی انتہاؤں پر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی، کیونکہ لفظوں کے ادھر ادھر ہونے سے اس کی فصاحت و بلاغت محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔

علاوہ ازیں تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان قرآن کی تعلیم اور اس کے حفظ کرنے میں انتہائی دلچسپی دکھاتے تھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عربوں کے درمیان ایسے قوی حافظ موجود تھے جو صرف ایک بار طولانی خطبہ سننے کے بعد اسے یاد کر لیتے تھے۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنے قاریوں کے ہوتے ہوئے قرآن مجید میں کسی قسم کی تحریف ہوئی ہو۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام بعض مسائل میں خلفاء سے اختلاف نظر رکھتے تھے اور اپنی مخالفت کو مختلف مواقع پر منطقی طور سے ظاہر بھی کرتے تھے۔ جس کا نمونہ نہج البلاغہ میں خطبہ شقشقیہ اور ان کے علاوہ بھی خطبات ہیں اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ نے اپنی پوری زندگی میں ایک حرف بھی تحریف قرآن کے بارے میں نہیں فرمایا۔ اگر (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں تحریف ہوتی تو آپؑ کسی بھی صورت خاموش نہ رہتے بلکہ اس کے برعکس آپؑ ہر وقت قرآن مجید کے ساتھ ناطہ جوڑنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور اس سے مدد و شفا لینے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپؑ کا ارشاد گرامی ہے:

لَيۡسَ عَلٰی اَحَدٍ بَعۡدَ الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ فَاقَةٍ وَ لَا لِاَحَدٍ قَبۡلَ الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ غِنًی فَاسۡتَشۡفُوۡهُ مِنۡ اَدۡوَائِكُمۡ وَ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِهٖ عَلٰی لَاۡوَائِكُمۡ فَاِنَّ فِيۡهِ شِفَآءً مِّنۡ اَكۡبَرِ الدَّآءِ وَ هُوَ الۡكُفۡرُ وَ النِّفَاقُ وَ الۡغَيُّ وَ الضَّلَالُ۔

جان لو کہ کسی کو قرآن (کی تعلیمات) کے بعد (کسی اور لائحہ عمل کی) احتیاج نہیں رہتی اور نہ کوئی قرآن سے (کچھ سیکھنے) سے پہلے اس سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ اس سے اپنی بیماریوں کی شفا چاہو اور اپنی مصیبتوں پر اس سے مدد مانگو۔ اس میں کفر و نفاق اور ہلاکت و گمراہی جیسی بڑی بڑی بیماریوں کی شفا پائی جاتی ہے۔ (۷)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے عظمت کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ هُوَ النُّوۡرُ الۡمُبِيۡنُ وَ الۡحَبۡلُ الۡمَتِيۡنُ وَ الۡعُرۡوَةُ الۡوُثۡقٰی وَ الدَّرَجَةُ الۡعُلۡيَا وَ الشِّفَآءُ الۡاَشۡفٰی وَ الۡفَضِيۡلَةُ الۡكُبۡرٰی وَ السَّعَادَةُ الۡعُظۡمٰی مَنِ اسۡتَضَآءَ بِهٖ نَوَّرَهُ اللّٰهُ وَ مَنۡ عَقَدَ بِهٖ اُمُوۡرَهُ عَصَمَهُ اللّٰهُ وَ مَنۡ تَمَسَّكَ بِهٖ اَنۡقَذَهُ اللّٰهُ وَ مَنۡ لَّمۡ يُفَارِقۡ اَحۡكَامَهُ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَ مَنِ اسۡتَشۡفٰی بِهٖ شَفَاهُ اللّٰهُ وَ مَنۡ اٰثَرَهُ عَلٰی مَا سِوَاهُ هَدَاهُ اللّٰهُ۔

بے شک قرآن نمایاں روشنی ہے، مضبوط رسی ہے اور محکم وسیلہ ہے۔ (قرآن) بلندترین مرتبہ ہے، نہایت موثر شفا ہے، سب سے بڑی فضیلت ہے اور سب سے بڑی سعادت ہے۔ جو قرآن کے ذریعے روشنی طلب کرے، اللہ اس کو منور کرتا ہے۔ جس نے اپنے امور قرآن سے مربوط کر لیے، اللہ نے اسے محفوظ رکھا اور جس نے قرآن سے تمسک کیا، اللہ نے اسے نجات دی اور جس نے اس کے احکام کو نہ چھوڑا اللہ نے اسے عزت دی اور جس نے قرآن سے شفا طلب کی خدا نے اسے شفا دی اور جس نے قرآن کو دوسری چیزوں پر ترجیح دی خدا نے اسے ہدایت بخشی۔ (۸)

قرآن مجید کی فضیلت کے بارے میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے کلام سے اقتباس:

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡهِ الۡكِتَابَ نُوۡرًا لَّا تُطۡفَاُ مَصَابِيۡحُهٗ وَ سِرَاجًا لَّا يَخۡبُوۡ تَوَقُّدُهٗ وَ بَحۡرًا لَّا يُدۡرَكُ قَعۡرُهٗ وَ مِنۡهَاجًا لَّا يُضِلُّ نَهۡجُهٗ وَ شُعَاعًا لَّا يُظۡلِمُ ضَوۡئُهٗ ـــ وَ بَحۡرٌ لَّا يَنۡزِفُهُ الۡمُسۡتَنۡزِفُوۡنَ وَ عُيُوۡنٌ لَّا يُنۡضِبُهَا الۡمَاتِحُوۡنَ وَ مَنَاهِلُ لَا يَغِيۡضُهَا الۡوَارِدُوۡنَ وَ مَنَازِلُ لَا يَضِلُّ نَهۡجَهَا الۡمُسَافِرُوۡنَ وَ اَعۡلَامٌ لَّا يَعۡمٰی عَنۡهَا السَّآئِرُوۡنَ وَ اٰكَامٌ لَّا يَجُوۡزُ عَنۡهَا

الْقَاصِدُوْنَ جَعَلَهُ اللهُ رِيًّا لِعَطَشِ الْعُلَمَآءِ وَ رَبِيْعًا لِقُلُوْبِ الْفُقَهَآءِ وَ مَحَاجَ لِطُرُقِ الصُّلَحَآءِ۔۔۔ وَ دَوَآءً لَيْسَ بَعْدَهُ دَآءٌ وَّ نُوْرًا لَّيْسَ مَعَهُ ظُلْمَةٌ وَّ حَبْلًا وَّثِيْقًا عُرْوَتُهُ وَ مَعْقِلًا مَنِيْعاً ذِرْوَتُهُ وَ عِزًّا لِمَنْ تَوَلَّاهُ وَ سِلْمًا لِّمَنْ دَخَلَهُ وَ هُدًى لِمَنِ ائْتَمَّ بِهِ وَ عُذْرًا لِمَنِ انْتَحَلَهُ وَ بُرْهَانًا لِمَنْ تَكَلَّمَ بِهِ وَ شَاهِدًا لِمَنْ خَاصَمَ بِهِ وَ فُلْجًا لِمَنْ حَاجَّ بِهِ وَ حَامِلًا لِمَنْ حَمَلَهُ وَ مَطِيَّةً لِمَنْ اَعْمَلَهُ وَ اٰيَةً لِمَنْ تَوَسَّمَ وَ جُنَّةً لِمَنِ اسْتَلْاَمَ وَ عِلْمًا لِمَنْ وَّعٰى وَ حَدِيْثًا لِمَنْ رَّوٰى وَ حُكْمًا لِمَنْ قَضٰى۔

اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ کتاب نازل فرمائی جو ایسا نور ہے جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں۔ ایسا چراغ ہے جس کی لو خاموش نہیں ہوتی۔ ایسا دریا ہے جس کی تہ تک رسائی نہیں ہوتی۔ ایسی کرن ہے جس کی روشنی مدہم نہیں پڑتی۔۔۔ وہ ایسا دریا ہے جس سے پانی بھرنے والے اسے ختم نہیں کر سکتے۔ وہ ایسی منزل ہے جس کی راہ میں کوئی راہ رو بھٹکتا نہیں۔ وہ ایسا نشان ہے کہ چلنے والے کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اسے علماء کی تشنگی کے لیے سیرابی، فقہاء کے دلوں کے لیے بہار اور نیک لوگوں کی رہ گزر کے لیے شاہراہ قرار دیا۔ وہ ایسی دوا ہے کہ جس سے کوئی مرض نہیں رہتا۔ ایسا نور ہے جس میں تیرگی کا گزر نہیں۔ ایسی رسی ہے کہ جس کے حلقے مضبوط ہیں۔ ایسی چوٹی ہے کہ جس کی پناہ گاہ محفوظ ہے۔ جو اس سے وابستہ ہو اس کے لیے پیغام صلح و امن ہے۔ جو اس کی پیروی کرے اس کے لیے ہدایت ہے۔ جو اسے اپنی طرف نسبت دے اس کے لیے حجت ہے۔ جو اس کی رو سے بات کرے اس کے لیے دلیل و برہان ہے۔ جو اس کی بنیاد پر بحث و مناظرہ کرے اس کے لیے گواہ ہے۔ جو اسے حجت بنا کر پیش کرے اس کے لیے فتح و کامرانی ہے۔ جو اس کا بار اٹھائے یہ اس کا بوجھ بٹانے والا ہے۔ جو اسے اپنا دستور العمل بنائے اس کے لیے مرکب (تیز گام) ہے۔ یہ حقیقت شناس کے لیے ایک واضح نشان ہے۔ (جو ضلالت سے ٹکرانے کے لیے) جو سلاح بند ہو اس کے لیے ڈھال ہے۔ جو فہم رکھتا ہے اس کے لیے علم و دانش ہے، بیان کرنے والے کے لیے بہترین کلام ہے اور فیصلہ کرنے والے کے لیے قطعی حکم ہے۔ (۹)

حضرت امام حسن علیہ السلام عظمتِ قرآن مجید کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ فِيْهِ مَصَابِيْحُ النُّوْرِ - وَ شِفَآءُ الصُّدُوْرِ - فَلْيَجْلُ جَالٍ بِضَوْئِهِ وَ لْيُلْجِمِ الصِّفَةَ - فَاِنَّ التَّلْقِيْنَ حَيَاةُ الْقَلْبِ الْبَصِيْرِ - كَمَا يَمْشِي الْمُسْتَنِيْرُ فِي الظُّلُمٰتِ بِالنُّوْرِ۔

بیشک قرآن مجید میں روشن چراغ ہیں اور دلوں کی بیماری کے لیے شفا ہے۔ پس دلوں کو جلا دینے والے قرآن کی روشنی سے اپنے دلوں کو منور کریں اور اپنے دلوں کو قرآن کی لگام سے کنٹرول کریں کیونکہ قرآن کی تلقین بابصیرت انسان کے لیے سرمایۂ حیات ہے، جس طرح تاریکی میں گھرے ہوئے انسان کے لیے نور اور روشنی۔ (۱۰)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ قَرَأَ اٰيَةً مِّنْ كَلَامِ اللهِ تَعَالٰى عَزَّ وَ جَلَّ فِيْ صَلَاتِهٖ قَائِمًا يَّكْتُبُ اللهُ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ مِّائَةَ حَسَنَةٍ فَاِنْ قَرَأَهَا فِيْ غَيْرِ الصَّلَاةِ كَتَبَ اللهُ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرًا فَاِنِ اسْتَمَعَ الْقُرْاٰنَ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ حَسَنَةٌ وَّ اِنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ لَيْلًا

صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ حَتّٰی یُصْبِحَ وَ اِنْ خَتَمَهٗ نَهَارًا صَلَّتْ عَلَيْهِ الْحَفَظَةُ حَتّٰی یُمْسِیَ وَ کَانَتْ لَهٗ دَعْوَةٌ مُّجَابَةٌ وَّ کَانَ خَیْرًا لَّهٗ مِمَّا بَیْنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ۔

جو شخص قیام نماز میں قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کرے، اس کے نامۂ اعمال میں ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر نماز کے علاوہ پڑھے تو خداوند عالم ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں ثبت کرتا ہے اور اگر صرف قرآن کو سنے تو بھی اللہ ہر حرف کے بدلے نیکی لکھتا ہے اور اگر قرآن رات کے وقت ختم کرے تو صبح تک فرشتے اس کے لیے دُعائے رحمت کرتے ہیں اور اگر دن کے وقت ختم کرے تو شام تک حفاظت کرنے والے ملائکہ اس پر درود رحمت بھیجتے ہیں اور اس کی دُعا قبول ہوتی ہے اور یہ اس کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے جو زمین و آسمان کے درمیان ہے۔(۱۱)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ سجادیہ میں دُعائے ختم قرآن میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَعَنْتَنِیْ عَلٰی خَتْمِ كِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَهٗ نُوْرًا، وَ جَعَلْتَهٗ مُهَیْمِنًا عَلٰی كُلِّ كِتَابٍ اَنْزَلْتَهٗ، وَ فَضَّلْتَهٗ عَلٰی كُلِّ حَدِیْثٍ قَصَصْتَهٗ، وَ فُرْقَانًا فَرَقْتَ بِهٖ بَیْنَ حَلَالِكَ وَ حَرَامِكَ، وَ قُرْاٰنًا اَعْرَبْتَ بِهٖ عَنْ شَرَائِعِ اَحْكَامِكَ وَ كِتَابًا فَصَّلْتَهٗ لِعِبَادِكَ تَفْصِیْلًا، وَ وَحْیًا اَنْزَلْتَهٗ عَلٰی نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ- صَلَوَاتُكَ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ- تَنْزِیْلًا۔۔۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَنْزَلْتَهٗ عَلٰی نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ- صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ- مُجْمَلًا، وَ اَلْهَمْتَهٗ عِلْمَ عَجَائِبِهٖ مُكَمَّلًا، وَ وَرَّثْتَنَا عِلْمَهٗ مُفَسَّرًا، وَ فَضَّلْتَنَا عَلٰی مَنْ جَهِلَ عِلْمَهٗ، وَ قَوَّیْتَنَا عَلَیْهِ لِتَرْفَعَنَا فَوْقَ مَنْ لَّمْ یُطِقْ حَمْلَهٗ۔ اَللّٰهُمَّ فَكَمَا جَعَلْتَ قُلُوْبَنَا لَهٗ حَمَلَةً، وَ عَرَّفْتَنَا بِرَحْمَتِكَ شَرَفَهٗ وَ فَضْلَهٗ، فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الْخَطِیْبِ بِهٖ، وَ عَلٰی اٰلِهِ الْخُزَّانِ لَهٗ، وَ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یَعْتَرِفُ بِاَنَّهٗ مِنْ عِنْدِكَ حَتّٰی لَا یُعَارِضَنَا الشَّكُّ فِیْ تَصْدِیْقِهٖ، وَ لَا یَخْتَلِجَنَا الزَّیْغُ عَنْ قَصْدِ طَرِیْقِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یَعْتَصِمُ بِحَبْلِهٖ، وَ یَاْوِیْ مِنَ الْمُتَشَابِهَاتِ اِلٰی حِرْزِ مَعْقِلِهٖ، وَ یَسْكُنُ فِیْ ظِلِّ جَنَاحِهٖ، وَ یَهْتَدِیْ بِضَوْءِ صَبَاحِهٖ،۔۔۔

بارالہا! تو نے اپنی کتاب کے ختم کرنے پر میری مدد فرمائی۔ وہ کتاب جسے تو نے نور بنا کر اتارا اور تمام کتب سماویہ پر اسے گواہ بنایا اور ہر اس کلام پر جسے تو نے بیان فرمایا، اسے فوقیت بخشی اور حق و باطل میں حد فاصل قرار دیا، جس کے ذریعہ حلال و حرام کو الگ الگ کر دیا۔ وہ قرآن جس کے ذریعہ شریعت کے احکام واضح کیے۔ وہ کتاب جسے تو نے اپنے بندوں کے لیے شرح و تفصیل سے بیان کیا اور وہ (آسمانی) وحی جسے اپنے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔۔۔ اے اللہ! تو نے اسے اپنے پیغمبرؐ پر اجمال کے طور پر اتارا اور اس کے عجائب و اسرار کا پورا پورا علم انہیں القاء کیا اور اس کے علم تفصیلی کا ہمیں (آل محمدؐ کو) وارث قرار دیا اور جو اس کا علم نہیں رکھتے، ان پر ہمیں فضیلت دی اور اس کے مقتضیات پر عمل کرنے کی قوت بخشی تا کہ جو اس کے حقائق کے متحمل نہیں ہو سکتے ان پر ہماری فوقیت و برتری ثابت کر دے۔ اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو اس کی رسی سے وابستہ اور مشتبہ امور میں اس کی محکم پناہ

گاہ کا سہارا لیتے ہیں اور اس کے پروں کے زیر سایہ منزل کرتے ہیں اور اس کی صبحِ درخشاں کی روشنی سے ہدایت پاتے ہیں۔۔۔(۱۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قرآن کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

یَا جَابِرُ! اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ بَطْنًا وَ لِلْبَطْنِ بَطْنٌ وَ لَهُ ظَهْرٌ وَ لِلظَّهْرِ ظَهْرٌ، یَا جَابِرُ! وَ لَیسَ شَیْءٌ اَبْعَدَ مِنْ عُقُوْلِ الرِّجَالِ مِنْ تَفْسِیرِ الْقُرْاٰنِ اِنَّ الْاٰیَةَ لَتَكُوْنُ اَوَّلُهَا فِیْ شَیْءٍ وَّ اٰخِرُهَا فِیْ شَیْءٍ وَّ هُوَ كَلَامٌ مُتَّصِلٌ یُتَصَرَّفُ عَلٰی وُجُوْهٍ۔

اے جابر! قرآن مجید کے باطن ہیں اور باطن کے پھر باطن ہیں۔ قرآن کا ظاہر ہے اور پھر ظاہر کا ظاہر ہے۔ اے جابر! انسانوں کی عقلوں سے قرآن مجید کی (حقیقی) تفسیر دور ہے، کیونکہ قرآن کا آغاز ایک چیز کے بارے میں ہے تو اختتام دوسری چیز کے بارے میں۔ قرآن ایسا متصل کلام ہے کہ جس کی شکلیں اور معانی مختلف ہیں۔(۱۳)

حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا:

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اٰیَةً اِلَّا لَهَا ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ، وَ كُلُّ حَرْفٍ حَدٌّ، وَ كُلُّ حَدٍّ مَطْلَعٌ۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی آیت نازل نہیں کی مگر یہ کہ اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی حد ہے اور ہر حد معلوم ہے۔(۱۴)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ مَاتَ مِنْ اَوْلِیَآئِنَا وَ شِیْعَتِنَا وَ لَمْ یُحْسِنِ الْقُرْاٰنَ عُلِّمَ فِیْ قَبْرِهٖ لِیَرْفَعَ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَتَهٗ فَاِنَّ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ عَلٰی قَدْرِ عَدَدِ اٰیَاتِ الْقُرْاٰنِ، فَیُقَالُ: لِقَارِئِ الْقُرْاٰنِ: اِقْرَأْ وَ ارْقَ۔

ہمارے دوستوں اور شیعوں میں سے جو مر جائے اور قرآن مجید کو خوب پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس کو قبر میں قرآن سکھایا جائے گا تاکہ خداوند عالم قرآن کے سبب اس کے درجات کو اور بڑھائے۔ چونکہ بہشت کے درجات قرآن مجید کی آیات کے عدد برابر ہیں، قرآن کے قاری سے کہا جائے گا قرآن پڑھ اور آگے بڑھ۔(۱۵)

حضرت امام رضا علیہ السلام قرآن مجید کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ وَ عُرْوَتُهُ الْوُثْقٰی وَ طَرِیْقَتُهُ الْمُثْلَی الْمُؤَدِّیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَ الْمُنْجِیْ مِنَ النَّارِ، لَا یَخْلُقُ مِنَ الْاَزْمِنَةِ وَ لَا یَغِثُّ عَلَی الْاَلْسِنَةِ لِاَنَّهٗ لَمْ یُجْعَلْ لِزَمَانٍ دُوْنَ زَمَانٍ بَلْ جُعِلَ دَلِیْلَ الْبُرْهَانِ وَ حُجَّةً عَلٰی كُلِّ اِنْسَانٍ ﴿لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۴۲﴾۔

قرآن اللہ کی مضبوط و مستحکم رسی ہے۔ قرآن کی راہ پر چلنے والے کو قرآن جنت میں لے جاتا ہے اور دوزخ سے بچاتا ہے۔ (قرآن) زمانے کے گزرنے سے پرانا نہیں ہوتا اس لیے کہ قرآن کسی خاص زمانے کے لیے نہیں بلکہ ہر زمانے کے لیے ہے قرآن رہنما اور حجت ہے ہر انسان کے لیے، (جیسا کہ ارشاد پروردگار ہے:) ''قرآن میں باطل نہیں آ سکتا، نہ آگے سے نہ پیچھے سے حکیم حمید پروردگار نے اسے اتارہ ہے''۔(۱۶)

حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام آسمانی کتاب پر عمل کرنے کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

وَ کُلُّ اُمَّةٍ قَدْ رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عِلْمَ الْكِتَابِ حِيْنَ نَبَذُوْهُ وَ وَلَّاهُمْ عَدُوَّهُمْ حِيْنَ تَوَلَّوْهُ وَ كَانَ مِنْ نَبْذِهِمُ الْكِتَابَ اَنْ اَقَامُوْا حُرُوْفَهُ وَ حَرَّفُوْا حُدُوْدَهُ فَهُمْ يَرْوُوْنَهُ وَ لَا يَرْعَوْنَهُ وَ الْجُهَّالُ يُعْجِبُهُمْ حِفْظُهُمْ لِلرِّوَايَةِ وَ الْعُلَمَآءُ يَحْزُنُهُمْ تَرْكُهُمْ لِلرِّعَايَةِ۔

ہر امت جب اپنی آسمانی کتاب کو پس پشت ڈال دیتی ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتی تو خداوند اس کا علم ان سے چھین لیتا ہے۔ جب وہ اپنے دشمنوں کو اپنا سرپرست بنا لیتے ہیں، پھر خداوند ان دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے، انہیں حکومت اور ولایت دے دیتا ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے ظاہری لفظوں کو تو یاد رکھتے ہیں لیکن روح مطلب اور معانی کو بھول جاتے ہیں یا تحریف کر دیتے ہیں، کتاب کی روایت کرتے ہیں رعایت نہیں کرتے۔ نادان لوگ اسے خوب پڑھتے ہیں اور حفظ کرتے ہیں اور خوشحال ہیں اور دانشمند چونکہ کتاب کی رعایت نہیں کرتے اس لئے اندوھناک و پریشان ہیں۔(۱۷)

ایسے ہی لوگوں کیلئے سورۂ حدید میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾

کیا مومنین کیلئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا سے اور نازل ہونے والے حق سے نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی پھر ایک طویل مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے؟ اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں۔(۱۸)

مقالہ کے آخر میں دُعا گو ہیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کو پڑھنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والوں میں سے قرار دے اور قرآن کے ساتھ ساتھ دوسری اہم چیز جو رسول کریم چھوڑ گئے وہ اہلبیت اطہار علیہم السلام ہیں، ان کے دامن سے متمسک رہنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

حوالہ جات

۱۔ بنی اسرائیل۔۸۸ ۲۔ ھود۔۱۳ ۳۔ یونس۔۳۸
۴۔ بقرہ۔۲۳۔۲۴ ۵۔ حجر۔۹ ۶۔ فصلت۔۴۲
۷۔ نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۷۶ ۸۔ بحارالانوار، ج۸۹،ص۳۱ ۹۔ نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۹۶
۱۰۔ بحارالانوار، ج۷۵،ص۱۱۲، کشف الغمہ، ج۲،۱۹۹ ۱۱۔ عدۃ الداعی،ص۲۸۷۔۲۸۸
۱۲۔ صحیفہ سجادیہ، دعائے ختم قرآن، ترجمہ مفتی جعفر حسین مرحوم،ص ۳۰۲ ۱۳۔ بحارالانوار، ج۸۹،ص۹۵
۱۴۔ کنز العمال، حدیث ۲۴۶۱ ۱۵۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال،ص۱۲۹
۱۶۔ بحارالانوار، ج۱۷،ص۲۱۰ ۱۷۔ الکافی، ج۸،ص۵۲ ۱۸۔ حدید۔۱۶

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

محمد فاروق علوی، برمنگھم

ذیل کا مضمون آج ہمارے خطبہ جمعہ کا موضوع تھا، احباب کی توجہ کے لیے پیش خدمت ہے، پاکستانی حضرات کے لیے پتہ نہیں اس کی اہمیت کس نوعیت کی ہوگی کیونکہ وہاں تو مسلمان ہی مسلمان کے گلے کاٹ رہے ہیں لیکن ہمارے ہاں اور دیگر غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے درج ذیل اسوہ حسنہ کو ہم اختیار کریں، مسلم ممالک کے رہنے والے اہل اسلام کو بھی سوچنا چاہیے کہ جب غیر مسلموں کے ساتھ سلوک کا یہ حال ہے تو خود مسلمانوں کا آپس میں برتاؤ اور سلوک کیسا ہونا چاہیے۔

غیر مسلموں پر خرچ کرنا

غیر اسلامی ملک کے غیر مسلم افراد پر خرچ کرنا اور مصیبت وآفت میں ان کے ساتھ ہمدردی وتعاون کرنا مسلمانوں کا وصف خاص رہا ہے ،اس وصف خاص سے متصف فرمانے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فعل مبارک سے مسلمانوں کو جونمونہ عمل عنایت فرمایا اس کی ایک مثال یہ حدیث پاک ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ خَمْسَمِائَۃِ دِینَارٍ إِلَی مَکَّۃَ حِینَ قَحَطُوْا وَاَمَرَ بِدَفْعِھَا إِلَی اَبِیْ سُفْیَانَ بْنِ حَرْبٍ وَصَفْوَانَ بْنِ اُمَیَّۃَ لِیُفَرِّقَا عَلَی فُقَرَاءِ اَھْلِ مَکَّۃَ۔

ایک سال مکہ مکرمہ کے لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کے پاس پانچ سو دینار روانہ کئے تا کہ وہ مکہ مکرمہ کے ضرورت مندوں اور محتاجوں میں تقسیم کریں۔

(ردالمحتار، ج2، کتاب الزکوۃ، باب مصرف الزکوۃ والعشر، ص92)

اتحاد واخوت اور انسانی رواداری کی اس سے عظیم مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان غیر مسلم افراد کی بھی اعانت وفریادرسی فرمائی جنھوں نے اہل اسلام پر مختلف قسم کے مظالم ڈھائے، مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف پہنچائیں یہاں تک کہ حضور کے جانثاروں نے اپنا گھر، مال ودولت سب کچھ قربان کر کے وطن عزیز مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ سکونت اختیار کی۔

یہود کا اقرار کہ زمین وآسمان کا قیام اسلامی دیانت داری سے ہے دین اسلام کی حقانیت اور اہل اسلام کے عدل وانصاف اور امانت داری کے اغیار بھی قائل ہیں، خیبر فتح ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی زمین یہود کو بٹائی پر دی، اس طرح کے وہ زراعت کریں گے۔ اور پیداوار کا آدھا حصہ وہ لیں گے اور آدھا حصہ آپ کو ادا کریں گے۔ جب بٹائی کا وقت آتا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم

پیداوار کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرماتے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَبْعَثُ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ.

(سنن ابوداود کتاب البیوع، باب فی الخرص، حدیث نمبر 3415)

عبداللہ بن رواحہ پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے فرماتے: جس حصہ کو چاہو لے لو! یہود اس عدل وانصاف کو دیکھ کر یہ کہتے ایسے ہی عدل وانصاف سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔

عبداللہ بن رواحہ ان سے فرماتے: اے گروہ یہود! تمام مخلوق میں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو کیونکہ تم نے اللہ کے نبیوں کو شہید کیا اور تم نے اللہ پر جھوٹ باندھا لیکن تمہاری دشمنی مجھ کو اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تم پر کسی قسم کا ظلم کروں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: أَفَاءَ اللهُ خَيْبَرَ ... فَبَعَثَ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ فَخَرَصَهَا عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ أَنْتُمْ أَبْغَضُ الْخَلْقِ إِلَيَّ قَتَلْتُمْ أَنْبِيَاءَ اللهِ وَكَذَبْتُمْ عَلَى اللهِ وَلَيْسَ يَحْمِلُنِي بُغْضِي إِيَّاكُمْ أَنْ أَحِيفَ عَلَيْكُمْ

(شرح معانی الآثار ج1 ص316، کتاب الزکوۃ، باب الخرص، حدیث نمبر: 2856)

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کتنے پاکیزہ طریقہ پر معاملات کرتے آئے ہیں کہ ظلم وزیادتی اور حق تلفی ودھوکہ دہی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔

ابورافع کو قریش نے قاصد بنا کر نبی اکرم کی خدمت میں بھیجا وہ کہتے ہیں، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی سعادت حاصل کی تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا، میں عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ میں کبھی بھی ان کی طرف نہیں لوٹونگا، حضرت رسول اکرم نے ارشاد فرمایا: میں وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ قاصد کو روکے رکھوں گا، تم واپس چلے جاؤ، اب جو چیز تمہارے دل میں ہے اگر یہ برقرار ہے تو تم واپس لوٹ آنا۔

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ أَبَا رَافِعٍ أَخْبَرَهُ قَالَ بَعَثَتْنِي قُرَيْشٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُلْقِيَ فِي قَلْبِيَ الإِسْلاَمُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي وَاللهِ لاَ أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنِّي لاَ أَخِيسُ بِالْعَهْدِ وَلاَ أَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلَكِنِ ارْجِعْ فَإِنْ كَانَ فِي نَفْسِكَ الَّذِي فِي نَفْسِكَ الآنَ فَارْجِعْ۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام یستجن بہ فی العہود، حدیث نمبر: 2760)

غیر مسلم قیدیوں سے اعلیٰ درجہ کا حسن سلوک

مسلمانوں نے قیدی افراد کے ساتھ بھی غیر معمولی، اعلیٰ درجہ کے حسن سلوک کی ایک سنہری تاریخ مرتب کی ہے، حالانکہ قیدی افراد جنگی مجرم سمجھے جاتے ہیں، ان کے ساتھ نہایت وحشت ناک، بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے لیکن اسلام نے ان کے ساتھ اخلاقی برتاؤ کا انتہائی اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

جنگ بدر کے قیدی جنہوں نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں مختلف صحابہ کرام پر تقسیم فرما دیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم فرمایا چنانچہ ابوعزیز بن عمیر جو مشرکین کے علم بردار تھے کہتے ہیں: مجھے ایک انصاری

صحابی کے حوالہ کیا گیا، ان کا حال یہ تھا کہ صبح وشام مجھ کو روٹی کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفاء کرتے اگر ان کے اہل خانہ سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو وہ مجھ کو دے دیتے اور خود اس کو ہاتھ بھی نہ لگاتے اس قدر حسن سلوک پر مجھے حیا آتی تھی۔

قال ابو عزیز۔۔۔فکانوا اذا قدموا غذائهم وعشائهم خصونی بالخبز واکلوا التمر لوصیة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاهم بنا، ماتقع فی یدرجل منهم کسرة خبز الا نفحنی بها۔

(سبل الہدی والرشاد، ج4، ص66، جماع ابواب المغازی، الباب السابع فی بیان غزوۃ بدر الکبری)

مسلمان غیر اسلامی ملک کے لئے مفاد کا ضامن!

کسی بھی غیر اسلامی ملک میں مسلمان کا وجود اس ملک کے مفاد میں ہوتا ہے، وہاں کے باشندگان کو مسلمانوں سے کوئی ضرر ونقصان بالکل نہیں پہنچتا، مسلمان غیر مسلم ملک میں بھی فساد وبگاڑ کی کوئی صورت ہونے نہیں دیتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے کہ مسلمان کا وجود ہی انسانیت کی صلاح وفلاح کے لئے ہے: اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم لوگوں کے فائدہ کے لئے لائے گئے ہو) اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں بلکہ آیت کریمہ کے کلمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے حوالہ سے مسلمانوں سے غیر مسلم افراد کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچنا چاہئے۔

اسلامی مملکت ہو یا جمہوری ملک' اس میں کسی غیر مسلم کا خون بہانا، اور انہیں ناحق قتل کرنا تو کجا اسلام نے ان پر معمولی درجہ کے ظلم سے بھی روکا ہے، نبی رحمت رسول اکرم نے معاہدہ کئے ہوئے غیر مسلم کے ساتھ ظلم وزیادتی کا برتاؤ کرنے پر کس قدر شدید وعید بیان فرمائی ہے اس کا اندازہ سنن ابوداؤد کی اس مبارک حدیث شریف سے ہوتا ہے، ارشاد فرمایا:

اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوِ انْتَقَصَهُ اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

سنو! جس نے کسی اہل معاہدہ پر ظلم کیا یا اس کے حق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ کام لے کر اس پر بوجھ ڈالا یا اس کے رضا ورغبت کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے مقدمہ لڑوں گا۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اہل الذمۃ إذا اختلفوا بالتجارات، حدیث نمبر 3054)

مسند امام احمد میں حدیث ہے:

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ آمَنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ.

نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: اور مومن وہ ہے جس سے تمام لوگوں کے خون اور مال محفوظ ہوں۔

(مسند امام احمد، مسند أبی ہریرۃ، حدیث نمبر 9166)

مذکورہ آیات شریفہ واحادیث کریمہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے بھی جان ومال کو تحفظ دیا ہے اور انہیں باوقار زندگی مرحمت کی ہے اور کامل مومن کی علامت وشناخت بھی یہی رکھی کہ اس سے دوسرے لوگ خواہ مسلم ہوں کہ غیر مسلم مامون ومحفوظ رہیں۔

امام خمینیؒ کا مشرب فلسفی

(3 جون 2022 امام خمینیؒ کی تینتیسویں برسی کی مناسبت سے)

سید ثاقب اکبر

انقلاب اسلامی ایران کی تینتالیسویں سالگرہ نزدیک آرہی ہے۔ پوری دنیا میں اس کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہورہا ہے۔ مشکلات کی بھی کمی نہیں، وہ بھی ہر روز سوا ہیں پھر بھی دنیا والوں کے لیے یہ سوال نہایت اہمیت رکھتا ہے کہ ایک نسبتاً چھوٹے سے ملک میں آنے والے انقلاب کی اس قدر روحانی تاثیر اور مستضعف قوموں میں اس کی بڑھتی ہوئی پذیرائی کی وجوہ کیا ہیں۔ ہماری رائے میں اس سوال کا جواب جاننے کے لیے انقلاب کے بانی حضرت امام خمینیؒ کو بہتر طور پر جاننا اور پہچاننا بہت ضروری ہے کیونکہ روح انقلاب امام خمینیؒ ہی کے افکار اور روح سے پھوٹی ہے اور یہ انقلاب کم وبیش ابھی تک ان کے دم مسیحائی سے پیش رفت کر رہا ہے۔

امام خمینیؒ کی ہمارے ہاں پہلے شہرت ایک اصولی فقیہ کی حیثیت سے پہنچی۔ پھر ان کے سیاسی افکار ان کی کتاب ''ولایت فقیہ یا اسلامی حکومت'' کے ترجمے سے سامنے آئے۔ اُن کے بعض اخلاقی مضامین کا بھی اردو ترجمہ ہوا۔ پھر ستر کی دہائی میں اچانک اُن کی انقلابی تحریک کا غلغلہ اٹھا جو ہر طرف چھا گیا۔ اگرچہ جو لوگ عالمی سیاست اور علاقائی تحریکوں پر نظر رکھتے تھے وہ گذشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی میں امام خمینیؒ کی قیادت میں ایران میں شاہی استبداد، دینی انحراف اور امریکی استعمار کی مداخلت کے خلاف شروع ہونے والی تحریک کو جانتے تھے اور بعض کے تو امام خمینیؒ سے روابط بھی تھے۔

انقلاب آیا تو امام خمینیؒ کے انقلابی افکار ہی کی ہر طرف گونج تھی۔ عالمی سیاست میں ان کے بعض نعرے زبان زد خاص و عام تھے۔ مسلمانوں کو بھی ان کے پیغام نے وسیع پیمانے پر متاثر کرنا شروع کیا۔ پھر بھی آپ کی شخصیت کے کئی اہم پہلو عام لوگوں کے سامنے نہ آسکے۔ ان میں سے ان کے عرفانی وفلسفی پہلو کا خاص طور پر ذکر کیا جانا چاہیے کیونکہ ان کی عملی اور فکری شخصیت کی ساخت میں اس پہلو کا سب سے اہم کردار ہے اور یہی وہ اصل شخصیت ہے جو آج تک انقلابی وجود اور جدوجہد میں کارفرما ہے۔

عالم اسلام میں اسلام کی شناخت اور تعبیر پر اختلاف ہمیشہ رہا ہے۔ بعض علوم بعض کے نزدیک ناگزیر ہیں تو بعض کے نزدیک مردود۔ بعض شخصیات کی کچھ لوگ بہت قدر افزائی کرتے ہیں تو کچھ لوگ انھیں نفرت و تفضیح کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس فرق کی بنیاد دین کی شناخت کا منہج ہے۔ عرفان وفلسفے سے سروکار رکھنے والے اعاظم روایت اور حرفیت پسند گروہوں کی طرف سے ہمیشہ تہمتوں اور فتووں کی زد میں رہے ہیں۔ یہ معاملہ کسی ایک اسلامی مکتب فکر کا نہیں رہا بلکہ تمام اہم مکاتب فکر میں یہ فکری تشنج اور بعض مقامات پر افراط وتفریط دکھائی دیتی ہے۔ امام خمینیؒ اپنی جوانی ہی سے فلسفے کی تحصیل اور بعد ازاں تدریس کی طرف راغب رہے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے دیگر علوم پر بھی وسیع دسترس حاصل کی یہاں تک کہ فقاہت کے میدان میں بھی اپنے دور کے چوٹی کے فقہاء میں شمار ہونے لگے لیکن خود حوزہ علمیہ قم میں علماء اور ان کے پیروکاروں کا ایک موثر گروہ موجود تھا جو فلسفے کی تحصیل وتدریس کو کفر جانتا تھا اور اس فتوے کی زد میں امام خمینیؒ بھی آتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک معروف مکتوب منشور روحانیت میں لکھتے ہیں:

''حوزہ علمیہ میں یہ حالت ہوگئی کہ جو بھی ٹیڑھا چلتا زیادہ دیندار سمجھا جاتا۔ غیر ملکی زبان یاد کرنا کفر سمجھا جاتا تھا۔ فلسفہ و

عرفان کو گناہ و شرک شمار کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ مدرسہ فیضیہ میں میرے خردسال بیٹے مرحوم مصطفیٰ نے کوزے سے پانی پیا تو اسے پھر سے دھویا گیا کیونکہ میں فلسفے کا درس کہتا تھا۔''

یعنی فلسفے کا درس کہنے کی وجہ سے امام خمینیؒ ان علماء اور طلبہ کی نظر میں کافر تھے اور ان کا چھوٹا بیٹا بھی باپ کے ''حکم'' میں تھا گویا وہ بھی کافر تھا اس لیے کوزۂ آب اس کے پانی پینے سے نجس ہو گیا اور اب سے شرعی طور پر پاک کر کے استعمال میں لانا ضروری تھا۔

عالمی سطح پر امام خمینیؒ کا یہ پہلو اس وقت نمایاں ہو کر سامنے آیا جب آپ نے سوویت یونین کے آخری صدر گورباچوف کے نام ایک مکتوب عرفان و فلسفہ اور قرآنیات کے عظیم عالم اور اپنے شاگرد آیت اللہ جوادی آملی کے ہاتھ روانہ کیا۔ اس میں انھوں نے جہاں کمیونزم کے زوال کی صریح پیش گوئی کی وہاں کمیونزم کے تصور کائنات کی خامیوں کو بہت ہی خوبصورت اور سادہ فلسفی اور فطری دلائل کے ساتھ واضح کیا اور ماورائے مادہ کائنات کی شناخت کی دعوت دی۔ اسی مکتوب میں انھوں نے مختلف عظیم الشان اسلامی فلاسفہ اور عرفا کے نام بھی لیے اور فرمایا کہ اگر آپ حقیقت کائنات کو پہچاننا چاہتے ہیں تو ان شخصیات کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اپنے مکتوب میں یہ بھی دعوت دی کہ اس سلسلے میں آپ اپنے کچھ ذہین علماء قم روانہ کریں تا کہ وہ کچھ عرصہ یہاں رہ کر ان مطالب کا ادراک حاصل کر سکیں۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''قرآن عزیز و کریم اور وحی و نبوت و قیامت سے متعلق دلائل سے میں صرف نظر کرتا ہوں کیونکہ آپ کے حوالے سے ابھی یہ اولِ کلام ہے۔ اصولاً میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو مسائلِ فلاسفہ کے پیچ و تاب اور خاص طور پر فلاسفہ اسلامی کے مسائل میں ڈالوں صرف ایک دو سادہ فطری و وجدانی مثالوں پر قناعت کرتا ہوں کہ جن سے سیاسی لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ امر بدیہیات میں سے ہے کہ مادہ اور جسم جو بھی ہوں خود سے بے خبر ہیں۔ ایک پتھر کا مجسمہ یا مادی مجسمہ یا انسان کا مادی مجسمہ اس کی ہر طرف دوسرے سے چھپی ہوئی ہے۔ جب کہ ہم یہ امر واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ انسان اور حیوان اپنے تمام اطراف سے آگاہ ہے، وہ جانتا ہے کہ کہاں ہے اور اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ دنیا میں کیا شور شرابا ہے۔ لہٰذا حیوان اور انسان میں کوئی دوسری چیز موجود ہے جو مادہ سے ماورا ہے اور عالم مادہ سے جدا ہے، مادہ کے مرنے سے نہیں مرتی اور باقی رہتی ہے۔ انسان فطرتاً ہر کمال کو مطلق طور پر اپنے لیے چاہتا ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ انسان چاہتا ہے کہ وہ دنیا کی مطلق طاقت بن جائے اور ہر وہ قدرت جو ناقص ہو اس سے دل نہ باندھے۔ اگر پوری دنیا انسان کے اختیار میں ہو اور کہا جائے کہ ایک اور دنیا بھی ہے تو فطرتاً وہ مائل ہے کہ اس جہان پر بھی اختیار حاصل کرے۔ انسان کتنا بڑا عالم بھی ہو اگر کہا جائے کہ اور علوم بھی ہیں تو وہ فطرتاً مائل ہے کہ ان علوم کو بھی سیکھے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قدرت مطلق اور علم مطلق ہو تا کہ آدمی اس سے دل باندھے اور یہ قدرت و علم اللہ تعالیٰ ہے کہ جس کی طرف ہم سب متوجہ ہیں اگرچہ نہ جانتے ہوں۔ انسان چاہتا ہے کہ حق مطلق تک پہنچ جائے یہاں تک کہ خدا میں فانی ہو جائے اصولاً ہر انسان کی فطرت میں ابدی زندگی کا اشتیاق ایک ایسے عالم کے وجود کی نشانی ہے جو جاوداں ہو اور موت سے محفوظ ہو۔ اگر جناب عالی خواہش رکھتے ہوں کہ ان مسائل میں تحقیق کریں تو ایسے علوم سے دلچسپی رکھنے والے افراد فلاسفۂ مغرب کی کتب کے علاوہ اس سلسلے میں لکھی گئی فارابی اور بوعلی سینا رحمۃ اللہ علیہما کی حکمت مشاء پر مشتمل کتب کی طرف رجوع کریں تا کہ واضح

ہو جائے کہ علیت و معلولیت کا قانون جس پر ہر طرح کی معرفت استوار ہے، معقول ہے محسوس نہیں۔ اسی طرح معانی کلی اور قوانین کلی کہ جن پر ہر طرح کا استدلال منحصر ہے معقول ہیں محسوس نہیں۔ اسی طرح حکمتِ اشراق میں لکھی گئی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کی طرف رجوع کریں اور آپ کے سامنے واضح کریں کہ جسم اور ہر دوسرا مادی موجود ایک ایسے خالص نور کا نیاز مند ہے جو حس سے منزہ ہے اور ذات انسان کا اپنی حقیقت کے بارے میں ادراک شہودی مظہر حسی سے مبرا ہے۔ عظیم اساتیذ سے تقاضا کریں کہ وہ صدر المتالہین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وحشرہ اللہ مع النبیین والصالحین) کی حکمت متعالیہ کا مطالعہ کریں تا کہ معلوم ہو کہ حقیقت علم مادہ سے مجرد وجود ہے۔ میں آپ کو مزید مشکل میں نہیں ڈالتا اور عرفا بالخصوص محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا نام نہیں لیتا کہ اگر آپ چاہیں کہ اس عظیم انسان کے مباحث کو جانیں تو پھر چند ذہین اہل علم کو جو ایسے مسائل میں مضبوط دسترس رکھتے ہوں قم روانہ کریں تا کہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے چند سال بعد بال سے باریک تر لطیف و عمیق منازل معرفت سے آگاہ ہوں اور یاد رہے کہ ایسے سفر کے بغیر ان مسائل سے آگاہی ممکن نہیں۔‘‘

اس مکتوب سے جہاں دنیا کے سامنے امام خمینیؒ کا فکری و فلسفی پہلو نمایاں ہوا وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کی ساری اسلامی انقلابی تحریک کے پیچھے ان کا یہی تصور کائنات اور معرفت پروردگار کار فرما ہے۔

تقریباً 34 برس پہلے امام خمینی نے جب سوویت یونین کے آخری صدر گورباچوف کے نام یہ مکتوب کریم تحریر کیا تو دنیا میں ہر طرف اسے ایک عجیب اور جرأت مندانہ اقدام کے طور پر دیکھا گیا۔ پاکستان میں بھی اس کی بڑی شہرت ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ روزنامہ جنگ نے اپنے ادارتی صفحے پر شائع کیا تو اس کے مطالب اردو دان طبقے تک پہنچے۔ راقم نے مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ مکتوب میں بعض ایسے مطالب ہیں جو کچھ وضاحت طلب ہیں اور اس وضاحت و تشریح کے بغیر اردو پڑھنے والوں کو یہ مکتوب صحیح طرح سے سمجھ نہیں آئے گا۔ راقم نے اس کی ایک مختصر تشریح لکھی اور روزنامہ جنگ ہی کو بھجوا دی۔ جنگ نے اس کو اصل مکتوب کے ترجمے ہی طرح اپنے ادارتی صفحے پر شائع کر دیا۔ پھر کیا تھا پورے ملک میں یہ مکتوب زیر بحث آنے لگا۔ بہت سے احباب نے ترجمہ اور اس کی تشریح کو کتابچے یا پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔ سوویت یونین کو دین اور اس کی حقیقت کی طرف دعوت دینا ایک مسلم معاشرے کے لیے باعث افتخار قرار پایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ تنگ نظر مولوی صاحبان کا ایک حلقہ جو دل سے پہلے ہی امام خمینی سے اتنا خوش نہ تھا، اس کے ہاتھ میں گویا ایک بہانہ آ گیا۔ کسی نے فلسفے سے اپنی دشمنی کی بناء پر اور کسی نے عرفان سے اپنے کد کی وجہ سے امام خمینی کو برا بھلا کہا۔ بعض ایسے بھی تھے جن کی دکانداریاں امام خمینی کے سامنے آنے کی وجہ سے کمزور پڑ گئی تھیں، کچھ ایسے جسور بھی تھے جنھوں نے امام خمینی کے خلاف کتابیں اور پمفلٹ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس گروہ کی طرف سے یہ سلسلہ کم و بیش آج بھی جاری ہے۔ اپنے افتادِ طبع، مزاج، تنگ نظری اور دین کی کج فہمی میں یہ لوگ ایسے ہی ہیں جن کی طرف امام خمینی نے منشور روحانیت میں اشارہ کیا ہے۔ یہ لوگ ایران، عراق، پاکستان اور دیگر ممالک میں موجود ہیں۔ اگر چہ امام خمینی کو اللہ نے جو مقبولیت و محبوبیت عطا کی ہے اور عالمی سطح پر انھیں جو عزت بخشی ہے اس کی وجہ سے بہت سے لوگ کھل کر مخالفت میں سامنے نہیں آتے بہر حال نیم دروں، نیم بروں ایسے لوگ موجود ہیں۔

ہمارے حصے کی گالیاں بھی ہمیں پڑتی رہتی ہیں، کوئی کسی بہانے سے گالی دیتا ہے اور کوئی کسی عذر سے کوستا ہے البتہ ان میں ایک گروہ واضح طور پر وہی ہے جو فلسفہ و عرفان کا مخالف ہے۔ یہ بات ہم زیادہ تر اہل تشیع کے اندر موجود صورتحال کے حوالے سے کر رہے ہیں اگر چہ فلسفے اور حقیقی

اسلام کا زوال پورے اسلام میں ہمہ گیر ہے، اہل سنت کے ہاں بہت نامور شخصیات فلسفے کی مخالف رہی ہیں۔ امام خمینی اور ان کے ساتھیوں کے نفس حکیمانہ کی وجہ سے شیعوں میں پھر بھی عرفان نظری اور فلسفے نے ایک عروج حاصل کیا ہے لیکن اہل سنت کے ہاں اس شعبے میں جو صورتحال ہے اسے الطاف حسین حالی کی مسدس سے پہلے لکھی گئی اس رباعی کے آئینے میں دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

فلسفے کی دنیا کے تمام بڑے لوگ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے چلے آرہے ہیں کہ فلسفے پر تنقید کرنے سے پہلے اسے سمجھنا اور اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ فلسفے کا معلم اول ارسطو کہتا ہے کہ عقل پر نقد اور فلسفے پر رد کے لیے فیلسوف ہونا ضروری ہے اور عقل نے عقل کو پچھاڑ دیا ہے تو جو کامیاب ہوا ہے وہ عقل ہی ہے۔

اہل عقل وفلسفہ کہتے ہیں کہ عقل پر جو تنقید کی گئی ہے اس سے مراد عقل جزئی ہے، ہمارے ہاں عقل اور عشق کی جنگ کا بہت شہرہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب بڑے لوگ جن میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں، جنھوں نے عقل پر تنقید کی ہے وہ اسی نوعیت کی ہے۔ ایسے مقامات امام خمینی کے ہاں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ استاد مطہری نے بھی ارسطو کی تاسی میں یہ بات کہی ہے کہ فلسفے پر تنقید کے لیے فلسفے کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

حضرت امام خمینی اپنی جوانی میں ہی حکمت متعالیہ میں ایک کامل اور متبحر عالم کی حیثیت رکھتے تھے۔ 27 برس کی عمر میں انھوں نے شرح دعائے سحر سپرد قلم کی۔ اس زمانے تک وہ تمام فلسفی نظریات کا گہرا مطالعہ کر چکے تھے یہاں تک کہ بعض مسائل میں اپنے خاص نظریات اختیار کر چکے تھے۔ فلسفے میں آپ کے استاد آیت اللہ رفیعی قزوینی اور مرحوم حاج مرزا علی اکبر حکیم تھے۔ آیت اللہ حسن زادہ عاملی مرحوم کہتے ہیں کہ ایک روز میں آیت اللہ رفیعی کی خدمت میں گیا تو انھوں نے امام خمینی کی زبردست ذہانت وصلاحیت اور ذوق سرشار کی بہت تعریف کی اور فرمایا:

یہ سید بہت ذہین ہے اور مستقبل میں کوئی بڑا کام انجام دیں گے۔

امام خمینی نے فلسفے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فلسفے کے درس کا بھی آغاز کیا۔ استاد آشتیانی کہتے ہیں کہ امام خمینی نے پندرہ برس تک شرح منظومہ اور اسفار کی تدریس کی۔ امام خمینی طلاب کو نصیحت کرتے تھے کہ فلسفے کی تعلیم اس کے اہل افراد سے حاصل کریں۔ امام خمینی نے الگ سے فلسفے پر کوئی کتاب نہیں لکھی البتہ اسفار کے ''مبحث ارادہ'' پر ایک تعلیقہ لگایا ہے۔ فلسفے میں امام خمینی کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ علوم عقلی میں اہم ترین موضوعات پر انھوں نے مختلف مقامات پر اظہار خیال کیا ہے، ان کے بعض خصوصی اور جدید نظریات بھی ہیں اگرچہ انھوں نے فلسفے سے زیادہ عرفان پر بات کی ہے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا فلسفہ زیادہ تر محض مشائی کے بجائے اشراقی رنگ کا حامل ہے۔ ان کے فلسفی مشرب پر ہم آئندہ سطور میں کچھ مزید وضاحت کریں گے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بانی انقلاب کی شخصیت اور ان کے مشرب کی شناخت بہت ضروری ہے چونکہ یہی وہ پہلو ہے جس سے انقلاب کے سوتے پھوٹتے ہیں اور اس کی راہ کا تعین ہوتا ہے۔ اس پہلو کی معرفت کے بغیر ان کے وجود سے پھوٹنے والے انقلاب کی حقیقت اور اس کی گہرائیوں

تک نظر نہیں جاسکتی اور نہ ہی اب تک اس کی پیش رفت کی وجوہ سمجھ میں آسکتی ہیں۔

فلسفے کا اہم ترین موضوع معرفت یا شناخت ہے۔ اس کے مقدماتی علوم میں ذرائع علم یا علم المعرفۃ شامل ہے۔ ابتدائی طور پر علم کو علم حصولی اور علم حضوری میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ علم حصولی میں ہمارے پیش نظر واقعیت خارجی ہوتی ہے اور ہم اس سے متاثر ہوتے ہیں لیکن علم حضوری میں ہم اس حقیقت کے ساتھ بھی ہوتے ہیں۔ البتہ جب ہم ذرائع علم کو حواس، عقل اور وحی میں منحصر جانتے ہیں تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ حسی و عقلی شناخت و ادراکات کس قدر قابل اعتماد ہیں اور کیا یہ دونوں وحی کے برابر ہیں۔ واضح ہے کہ اس کا جواب منفی ہے کیونکہ عقل اور حواسِ درونی عواملِ درونی اور حواسِ بیرونی سے استفادہ کرتے ہیں جب کہ حواسِ بیرونی سے خطا ہوسکتی ہے اور خالص محض واقعیت جیسی کہ وہ ہے ہرگز کسی کے ذہن میں نہیں آتی۔ ہمیشہ ذہن، حواس اور ذہن سے خارج عالم اور ان کا باہمی ارتباط معرفت کے پیدا ہونے میں موثر ہوتے ہیں اس لیے معرفت یا شناخت کی مشکل لاینحل باقی رہتی ہے۔ اسی لیے فلاسفہ کسی نئی راہ حل کے پانے اور علم حصولی کے علاوہ کوئی اور راستہ دریافت کرنے کی طرف مائل ہوئے۔ پیش رفت کرتے ہوئے انھوں نے علم حضوری، وحی اور مکاشفہ سے معرفت میں قابل اعتماد راستوں کے طور پر استفادہ کیا۔ اسی لیے یہ سوالات پیدا ہوئے کہ کیا صرف علمِ حصولی کا حاصل کرنا حقیقت تک پہنچنے کا قابل وثوق راستہ ہے یا پھر تقوی و طہارتِ قلب حقائق تک پہنچنے کا اصلی راستہ ہے یا کوئی تیسرا راستہ بھی موجود ہے۔

علم حصولی اور علم حضوری کی تقسیم میں امام خمینیؒ اس امر کے قائل ہیں کہ بعض امور کا علم حصولی سے تعلق نہیں ہوسکتا۔ ان امور کا ادراک فقط علم حضوری سے ہی ممکن ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''ان حقائق کا فہم براہین مشائیہ سے حاصل ہوتا ہے، نہ قیاسات فلسفہ سے اور نہ مجادلات کلامیہ سے''۔

ملا ہادی سبزواری ''شرح منظومہ'' میں فرماتے ہیں:

> معرفتِ حقائق کے درپے افراد چار طرح کے ہیں کیونکہ ایک وہ ہیں جو مجرد فکر کے ذریعے ان تک پہنچتے ہیں یا فقط تصفیہ نفس کے ذریعے یا ان دونوں کو معیار قرار دیتے ہیں اور ان میں جمع کے قائل ہیں۔ جمع کے قائلین کو اشراقی کہتے ہیں جب کہ صوفیاء و عرفاء فقط تصفیہ نفس کے قائل ہیں جب کہ وہ افراد جو فقط فکر کو حقائق تک پہنچنے کا راستہ جانتے ہیں انھیں متکلمین کہا جاتا ہے البتہ وہ ظواہر دین کی رعایت کرتے ہیں اور چوتھے فلاسفۂ مشاء ہیں جو فکر کو تنہا معارف تک پہنچنے کا راستہ جانتے ہیں۔

امام خمینیؒ چونکہ حکمت متعالیہ اور صدر المتالہین کے پیرو ہیں ان کی رائے ہے کہ معرفت اشیاء کے لیے فلسفۂ مشاء، اشراق اور عرفان میں جمع کی ضرورت ہے۔ یعنی صرف فکر بھی کسی مقام تک نہیں پہنچا سکتی اور نہ فکر اور تصفیہ نفس کمال مطلوب ہے بلکہ فکر، تصفیہ نفس کو عرفان و ظواہری شریعت کے ساتھ جمع کرنا چاہیے تاکہ معرفت حقیقت تک پہنچا سکے۔ اس لیے فلاسفہ و عرفا کی باتوں میں اختلاف نہیں۔

یہاں ان کی مراد یہ ہے کہ حقیقی اختلاف نہیں چنانچہ امام خمینیؒ اپنی کتاب ''مصباح الہدایہ'' میں فرماتے ہیں اگرچہ عرفان عقل سے بالاتر ایک چیز ہے لیکن عرفان ہرگز عقل صریح اور برہان روشن کے مخالف نہیں اور نہ مشاہدات عرفانی، عقلی براہین کے مخالف ہیں اور نہ عقلی براہین اصحابِ عرفان کے شہود کے خلاف ہیں۔

البتہ امام خمینیؒ کے نزدیک مقام عرفانی اور علم حضوری کے لیے کچھ شرائط ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''یہ وہ علم ہے جواُن مشائخ سے مختص ہے جنھوں نے ریاضات ومجاہدات کے ساتھ چراغِ نبوت اور مصباحِ ولایت سے استفادہ کیا ہے۔''

اس مطلب کی وضاحت کے بعد فرماتے ہیں:

''اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس دنیا سے کنارہ کش ہو جائیں اور اس سے آلودہ نہ ہوں تو ہمیں علمِ شہودی اور کشفِ حقیقی پیدا کرنا ہوگا تب جا کر ہم ان علوم و معارف تک پہنچیں گے۔''

امام خمینیؒ کے نزدیک ان علوم و معارف اور حقائق پر ایمان کلامی بحث مباحثے اور فلسفی براہین سے پیدا ہونا ممکن نہیں بلکہ ریاضتوں اور خلوتوں کے ذریعے اس کے لیے لطیف ذہانت، قلب کی چمک اور صفائے باطن کی ضرورت ہے۔

اس امر کی پہلے بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ عرفاء کے ہاں ہمیں عقل پر تنقید دکھائی دیتی ہے تاہم جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے عقل پر جو تنقید کی گئی ہے اس سے مراد عقل جزئی ہے سب کی سب تنقید اسی معنی میں ہے خود حضرت امام خمینیؒ کے کلام میں بہت سے مقامات پر عقل و فلسفہ پر تنقید دکھائی دیتی ہے، مثلاً:

این فلسفہ را کہ علم اعلی خوانی
برتر ز علوم دیگرش میدانی
خاری ز رہ سالک عاشق نگرفت
ھر چند بہ عرش اعظمش بنشانی

یہ فلسفہ کہ جسے تم علم اعلیٰ کہتے ہو اور دیگر علوم سے اسے برتر جانتے ہو یہ تو کسی سالک عاشق کے راستے سے ایک خار تک نہیں ہٹا سکتا اگر چہ تم اسے عرش اعظم پر بٹھا دو۔

یہاں یہ امر واضح کرنا ضروری ہے کہ حوزہ ہای علمیہ میں فلسفۂ اشراق کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا لیکن امام خمینیؒ نے فلسفۂ اشراق کے مشرب کا خوب مطالعہ کیا اور اس کے اسرار سے آگاہی حاصل کی۔ جناب حائری کہتے ہیں کہ حضرت امام خمینیؒ فلسفۂ اشراق کی تدریس کرتے تھے نہ کہ فلسفہ مشاء کی۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے باب میں بھی حضرت امام خمینیؒ نے شیخ اشراق کا نظریہ قبول کیا ہے یعنی علم خدا کو ذاتی اور مقدم بر اشیاء جانا ہے دوسرے لفظوں میں علم خدا کو فعلی اور عین اشیاء جانا ہے۔

فلسفۂ اشراق کی طرف امام خمینیؒ کے اس میلان کی وجہ ان کا اپنا بُعد اخلاقی و عرفانی ہے۔ امام خمینیؒ حقیقی معنی میں مربیٔ اخلاق تھے۔ آپ کی زیادہ تر توجہ تہذیب نفس، روحانیت اور ملکوتِ عالم سے ارتباط کی طرف تھی اور یہ حالت فلسفہ مشاء کی خشک عقلی بحثوں سے مناسبت نہیں رکھتی اور اشراقیوں کے مکاشفات اور وارداتِ قلبی سے زیادہ شباہت رکھتی ہے۔

نوٹ: ان مطالب کے لیے امام خمینیؒ کے دیوان، ان کے مختلف مکتوبات اور مختلف کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نیز جناب احمد عابدی کے علمی مقالہ ''بررسی آرای فلسفی امام خمینیؒ'' اور اس کے منابع کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ! پس منظر، تعارف اور کرنے کے کام

تحریر: خالد رحمٰن
چیئرمین انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

دستورِ پاکستان کی دفعہ ۳۸-ایف کے مطابق ریاستِ پاکستان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ربا یعنی سود کے خاتمے کا جلد از جلد اہتمام کرے۔ ۱۹۸۰ء میں جب وفاقی شرعی عدالت کو دستوری حکمنامے کے ذریعے تشکیل دیا گیا تو دس سال کے لیے معاشی قوانین کو اس کے دائرہ کار سے خارج رکھا گیا۔ یہ پابندی جیسے ہی ختم ہوئی تو ملک میں جاری سودی نظام کے خاتمے کے لیے وفاقی شرعی عدالت سے رجوع کیا گیا۔ معزز عدالت نے سود کو اسلامی تعلیمات اور مذکورہ دستوری تقاضے کے منافی اور ممنوع قرار دیا۔

سپریم کورٹ کے شریعت ایپلٹ بینچ نے ۱۹۹۹ء میں اس فیصلے کی توثیق کی۔ تاہم اس فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کا فیصلہ کرتے ہوئے ۲۰۰۲ میں اس معاملے کو وفاقی شرعی عدالت کی طرف واپس بھیجا۔ ۲۸ اپریل ۲۰۲۲ بمطابق ۲۶ رمضان ۱۴۴۳ھ کو اس مقدمے کا فیصلہ سنایا گیا، جسے ملک کے تمام طبقات نے نہایت اہم قرار دیا۔ اس اہم فیصلے، اس کے ممکنہ اثرات اور آئندہ لائحہ عمل پر غور کے لیے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے ۲۹ اپریل کو ایک مشاورت کا اہتمام کیا۔ ذیل میں فیصلے کا اجمالی تعارف اور مشاورت میں پیش کردہ تجاویز کو مختصر نکات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

۲۸ اپریل ۲۰۲۲ کو وفاقی شرعی عدالت نے سود [عربی: ربا] کے بارے میں گزشتہ دو دہائیوں سے زیر سماعت مقدمے کا فیصلہ سنا دیا۔ ۳۱۸ صفحات پر مبنی اس دستاویز کے پہلے ۷۴ صفحات میں ان تمام ۸۶ مقدمات کی معلومات دی گئی ہیں جنہیں اس مقدمہ میں یکجا کر لیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی درخواست دہندگان اور ان کے وکلا اور عدالتی معاونین کی تفصیلات بھی اس کا حصہ ہیں۔

صفحہ ۴۸ پر عدالت میں ہونے والی سماعتوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کے مطابق مقدمہ کی سماعت ۵۸ مختلف تاریخوں میں ہوتی رہی۔ پہلی سماعت ۳ جون ۲۰۱۳ کو ہوئی جبکہ آخری سماعت ۱۲ اپریل ۲۰۲۲ کو ہوئی۔

فیصلہ سنانے والے تین رکنی بینچ کے ارکان میں جسٹس نور محمد مسکان زئی [چیف جسٹس]، جسٹس سید محمد انور اور جسٹس خادم حسین شامل تھے۔ فیصلہ جسٹس سید ڈاکٹر محمد انور نے تحریر کیا ہے۔ جبکہ چیف جسٹس نور محمد مسکان زئی نے ایک اضافی نوٹ تحریر کیا ہے۔

مقدمہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ:

> فیڈرل شریعت کورٹ نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ کو سود کے خاتمہ کے لیے فیصلہ سنایا۔ اس کے بعد سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ نے ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ کو فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کی توثیق کی۔

وفاقی شرعی عدالت کے نومبر ۱۹۹۱ کے فیصلہ اور بعد از اں شریعت بنچ کے دسمبر ۱۹۹۹ کے فیصلہ میں دوٹوک طور پر کہا گیا تھا کہ ربا اپنی تمام صورتوں میں ممنوع ہے۔ ساتھ ہی ان [۸] قوانین کی نشاندہی کی گئی تھی جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں اور حکم دیا گیا تھا کہ یہ قوانین ۳۱ مارچ

۲۰۰۰ تک ختم کردیے جائیں [حالیہ فیصلے کا پیرگراف ۲]۔

اس کے ساتھ ہی ۱۷ ایسے قوانین کی فہرست دے کر انہیں بھی ختم کرنے کے لیے کہا گیا تھا جو سود سے متعلق ہیں اور جو قرآنی اصطلاح ربا کی تعریف میں آتے ہیں۔[پیراگراف ۳]

شریعت اپیلٹ بینچ نے اس کے ساتھ ہی اپنے ۱۹۹۹ء کے فیصلہ میں ۳ جامع نکات کی روشنی میں واضح کیا تھا کہ قرض کی کوئی بھی صورت ہو اگر کسی معاہدہ میں اصل زر سے زائد رقم لی جائے گی تو وہ 'ربا' کی تعریف میں شامل ہے اور یوں ممنوع ہے۔[پیراگراف ۴] نیز دستورِ پاکستان کی پاسداری میں حکومت کو وہ تمام اقدامات کرنے چاہییں جو معیشت کو بلاسود بنانے کے لیے ضروری ہیں۔اس ضمن میں حکومت کو اپنے معاشی نظم کو بہتر بنانے اور کچھ نئے قوانین اور اداروں کی تشکیل کی تجاویز بھی دی گئی تھیں [پیراگراف ۵ اور ۶] تاکہ مالیاتی نظام [بشمول بین الحکومتی معاملات اور اسٹیٹ بنک کے ساتھ معاملات] کو شریعت کے مطابق اپنایا جاسکے۔

اس دوران ۲۰۰۰ میں یوبی ایل کی جانب سے فیصلہ جس پر نظرثانی کی اپیل شریعت اپیلٹ بینچ میں داخل کی گئی۔جس پر شریعت اپیلٹ بینچ نے ۲۴ جون ۲۰۰۲ کو فیصلہ سنایا، جس کے ذریعے سابقہ فیصلہ کو غیر مؤثر قرار دیتے ہوئے فیڈرل شریعت کورٹ کو ہدایت کی گئی کہ وہ مقدمہ پر ازسرنو غور کرے اور بعض متعین کردہ اور دیگر متعلقہ امور کو سامنے رکھتے ہوئے اس معاملے کا ازسرِ نو جائزہ لے کر فیصلہ کرے[پیراگراف ۸]۔

فیصلہ کے مشتملات

پس منظر کے بیان کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے بجاطور پر اس حوالے سے تشویش کا اظہار کیا ہے کہ گزشتہ دو دہائیوں کے دوران اس فیصلہ میں مسلسل تاخیر ہوتی رہی۔تاہم اس تاخیر کی وجوہات کو نظر انداز کرتے ہوئے معزز عدالت نے ایک نہایت اہم اور مثبت پہلو کی نشاندہی کی ہے اور وہ یہ کہ اس بیس سال کے دوران مالیاتی اور بنکنگ نظام میں ہونے والی بہت سی پیش رفت نے ان بہت سے سوالات اور نکات کو غیر اہم بلکہ بڑی حد تک غیر متعلق بنا دیا ہے جو ۱۹۹۱ کے فیصلہ اور شریعت اپیلٹ بینچ ۱۹۹۹ کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرتے ہوئے اٹھائے گئے تھے۔ دوسری جانب شرعی عدالت اور شرعی اپیلٹ بنچ کے فیصلوں میں دی گئی راہنمائی سے عملی میدان میں مالیاتی نظام کی غیر سودی بنیادوں پر منتقلی میں مدد ملی ہے۔ چنانچہ ۲۰۰۰ کے مقابلہ میں آج اسلامی بنکاری ایک حقیقت ہے اور پاکستان اور مسلم دنیا میں ہی نہیں غیر مسلم دنیا میں بھی اس کے تجربات عام ہیں۔خود اسٹیٹ بنک آف پاکستان شریعہ بورڈ کی راہنمائی میں اسلامی بنکاری کے حوالہ سے ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

اس کے ساتھ موجودہ فیصلہ میں ماضی کے دونوں فیصلوں پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں ایک نہایت وقیع علمی اور قانونی دستاویز قرار دیا گیا ہے اور نشاندہی کی ہے کہ ان فیصلوں کی پاکستان میں ہی نہیں پاکستان سے باہر بھی تحسین کی گئی اور اس کے نتیجہ میں علمی مباحث اور اطلاق کے میدان میں نئی پیش رفت کے مواقع میسر آئے۔

اس مجموعی تناظر میں فیصلہ میں واضح کیا گیا ہے کہ نظرثانی کی درخواست میں جو سوالات اٹھائے گئے ان کا ایک بڑا حصہ تو ان نکات اور دلائل پر مشتمل ہے جو اس سے قبل بھی ۱۹۹۱ اور ۱۹۹۹ میں مقدمات کی سماعت کے دوران اٹھائے گئے تھے یا زبان و بیان کے بہت معمولی فرق کے ساتھ اب دوبارہ اٹھائے گئے ہیں۔ان میں سے بیشتر پر سابقہ فیصلوں میں جامع انداز میں بحث کی جاچکی ہے۔فیصلہ میں اس نوعیت کے

سوالات کی چھ مثالیں بھی دی گئی ہیں۔

فیصلہ میں واضح کیا گیا ہے کہ بعض انفرادی آراء سے قطع نظر مسلم امہ میں بالعموم ربا کے بارے میں قرآن وحدیث کی تعلیمات پر اتفاق رائے موجود رہا ہے۔ اور یہ اتفاق رائے کسی خاص دور یا علاقے تک محدود نہیں ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی آیت [آل عمران: ۱۳۰] کی مثال دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ صرف اس ایک نکتہ کے ضمن میں ہم نے ۱۰۰ سے زائد تفاسیر کا جائزہ لیا ہے۔ فیصلہ میں مختلف ادوار، زبانوں، علاقوں اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والی ان ۱۰۰ سے زائد تفاسیروں کی فہرست بھی دی گی ہے۔

اعتراضات اور سوالات کی دوسری نوعیت ان خدشات پر مشتمل تھی کہ مثلاً غیر سودی اسلامی بنکاری کے لیے تجویز کردہ نظام نا قابل عمل ہے اور اس کے اطلاق کی صورت میں بنکاری کا پورا نظام بیٹھ جائے گا وغیرہ۔ فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ اسلامی بنکاری اور مالیاتی سیکٹر میں ہونے والی پیش رفت نے ایسے اعتراضات کو غیر متعلق بنا دیا ہے۔

سوالات کی تیسری نوعیت ان اعتراضات پر مشتمل تھی جن کی بنیاد ان اسکالرز کی آراء پر مبنی تھیں جن کو امت کی مجموعی فکر کے مقابلہ میں استثناء قرار دیا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب درخواست کنندگان نے [۱۹۹۱ اور ۱۹۹۹ میں] ان اسکالرز کی بھی اصل تحریریں عدالت میں پیش نہیں کی تھیں بلکہ انہیں پیش کرتے ہوئے ثانوی ماخذ سے استفادہ کیا گیا تھا جو اکثر صورتوں میں متعلقہ اسکالرز کی رائے سے زیادہ لکھنے والے کی ذاتی رائے پر مبنی ہوتی ہیں۔ عدالت نے واضح کیا کہ ہماری جانب سے کہنے کے باوجود اس بار بھی اصل تحریریں عدالت کے سامنے پیش نہیں ہوئیں۔

دوسری جانب عدالت نے تبصرہ کیا کہ ان ذاتی آراء کی اہمیت بھی اب دنیا بھر میں اسلامی بنکاری کے عملی تجربات نے بہت کم یا ختم ہی کر دی ہے۔

بعض سوالات ایسے تھے جو اگرچہ شریعت اپیلٹ بینچ کی جانب سے مقدمہ از سرِ نو جائزے کے لیے بھیجتے ہوئے اٹھائے گئے تھے لیکن سماعت کے دوران خود درخواست دہندگان کی جانب سے ان پر گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

سوالات کی پانچویں قسم وہ تھی جو پہلی بار اٹھائے گئے تھے اور عدالت نے ان پر تفصیل سے غور کیا ہے۔ جبکہ سوالات کی چھٹی قسم وہ تھی جس میں شریعت اپیلٹ بینچ کی جانب سے نظر ثانی کے لیے اپنے حکم میں کچھ اسکالرز کے ناموں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آراء کو سامنے رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ بالعموم یہ وہی اسکالرز ہیں جن کی آراء استثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ درخواست دہندگان کی جانب سے ان اسکالرز کی کوئی مخصوص تحریروں کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی۔ فیصلہ کے مطابق درخواست دہندگان کو ایک بار پھر موقع دیا گیا کہ وہ اس ضمن میں باقاعدہ اصل ماخذ اور ان کے حوالوں کے ساتھ لوازمہ فراہم کر دیں۔ تاہم ایسی کوئی چیز عدالت کے سامنے پیش نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس نیشنل بنک نے اپنے جواب میں اسلامی بنکاری کے حوالہ سے اپنی پیش رفت بتائی جو اس کی علامت تھی کہ خود بنک کے اپنے سابقہ موقف میں بہت تبدیلی آچکی ہے۔

البتہ اسی سوال کے جواب میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے سات مختلف اسکالرز کے حوالہ سے کچھ تفصیلات فراہم کیں۔ تاہم ان میں سے بیشتر بھی اصل ماٰخذ پر مبنی نہیں تھیں۔ اس سلسلہ میں بعض دلچسپ مثالیں بھی فیصلہ کے پیراگراف میں دی گئی ہیں۔ اسی ضمن میں عدالت نے اسٹیٹ بنک پر یہ تبصرہ بھی کیا ہے کہ اپنے دلائل کے مقابلہ میں اسلامی بنکاری میں اپنے عملی کردار سے وہ خود اپنے موقف کی تردید کر رہا ہے۔

فیصلہ میں بتایا گیا ہے کہ اس کے باوجود عدالت نے اپنے طور پر ان اسکالرز کی آراء کا جائزہ لیا ہے۔ عدالت نے انہیں ۴ نکات کی صورت

میں متعین کیا ہے اور اپنے فیصلہ میں ان نکات کا احاطہ کیا ہے۔

پیراگراف ۱۵ میں عدالت نے ان چالیس سے زیادہ قانون دانوں، علماء، ماہرین اور پروفیشنلز کی فہرست دی ہے اور ان کا شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے کسی بھی شکل میں عدالتی بحث میں معاونت کی ہے۔

تصفیہ طلب سوالات کا تعین

پس منظر کے تفصیلی بیان اور اس پر تبصرہ کے بعد عدالت نے ان ۱۲ سوالات کا ذکر ہے جنہیں پیشِ نظر امور کے تصفیہ کے لیے عدالت نے اپنے لیے متعین کیا تھا۔ یہ ۱۲ سوالات فیصلہ کے صفحہ ۸۰ تا ۸۲ میں درج ہیں۔

پہلا سوال فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار سے متعلق ہے۔

اگلے ۴ سوالات میں ربا کی تعریف اور پھر اس تعریف کی روشنی میں بحث کی گئی ہے کہ کیا ربا کمپاونڈ انٹرسٹ، بہت زیادہ شرح سود کے ساتھ قرض اور محض ذاتی مقاصد کے قرضوں ہی سے متعلق ہے۔

چھٹا اور ساتواں سوال اسلامی بنکاری ماڈل کے موجودہ حالات میں قابل عمل ہونے اور دنیا بھر میں اس کے اس وقت آپریشن کے جائزہ سے متعلق ہے۔

آٹھواں سوال تجارتی مقاصد کے قرضوں کی حیثیت اور نواں سوال افراط زر اور انڈیکسیشن کے حوالہ سے بحث کرتا ہے۔

دسویں سوال میں بنک کے قرضوں پر سود ادا کرنے اور بنک کی جانب سے کھاتے داروں کو سود ادا کرنے میں کسی فرق پر بحث کی گئی ہے۔

گیارہواں سوال سود کے حوالہ سے پاکستان کی بین الاقوامی معاہدات کے تحت ذمہ داریوں سے متعلق ہے کہ فیصلہ کے بعد ان ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ برآ ہوا جائے۔

بارہوں سوال اس بات سے بحث کرتا ہے کہ کیا فیصلہ پر عمل درآمد کے لیے کسی وقت اور مدت کا تعین کیا جانا چاہیے۔

مذکورہ بالا تمام سوالات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے جو ۱۷ تا ۱۳۶ یعنی صفحہ ۸۲ سے لے کر ۲۶۰ تک ۱۷۸ اصفحات پر مشتمل ہے۔ ہر ایک سوال پر علمی اور قانونی دونوں پہلوؤں سے اس بحث میں نہایت اہم نکات واضح ہو گئے ہیں۔

فیصلہ کا پیراگراف ۱۵۵ مجموعی طور پر اسلام اور اس کے اقتصادی نظام کے اہداف اور اس پورے دائرہ کار کی نشاندہی کرتا ہے جس میں ضروری اقدامات کے بغیر اس نظام کی برکات سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالہ سے یہ یاددہانی ہوتی ہے کہ بنکاری سے سود کا خاتمہ محض ایک قدم ہے۔ اسلامی نظم معیشت کو کلی طور پر اختیار کرنے کے لیے اس کے علاوہ بھی بہت سے دائروں میں متعدد اقدامات ضروری ہیں۔

آئندہ پیراگرافوں میں فیصلہ کے دیگر نکات ہیں۔ یہ پیراگراف حسب ذیل موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ۱۵۶ [ربا کا قرآن وسنت سے متصادم ہونا]، ۱۵۷ [حکومتی قرضوں پر سود بھی 'ربا' ہے اور حرام ہے]، ۱۵۹ [تمام قوانین جن میں 'انٹرسٹ' کا ذکر آیا ہے ان میں اسے حذف کیا جائے]، ۱۶۱ [۲۰ سے زائد ان قوانین پر، جو زیر بحث درخواستوں کا حصہ تھے اور یا خصوصی طور پر زیر بحث آئے تھے، فرداً فرداً رولنگ۔ ان میں سے بعض کو مکمل طور پر اور چند میں جزوی طور پر تبدیلیوں کے لیے ہدایت کی گئی ہے۔

پیراگراف ۱۶۳ میں مکمل طور پر معیشت غیر سودی بنانے کے لیے معیشت سے سود کے مکمل خاتمہ کے لیے ٹائم فریم کے طور پانچ سال کی مدت طے کی گئی اور اس کے لیے ۳۱ دسمبر ۲۰۲۷ کی تاریخ کا تعین کر دیا گیا ہے۔

پیراگراف ۱۶۴ میں دستور کے آرٹیکل [۳]۲۹ کی روشنی میں اس امید کا اظہار کیا گیا ہے کہ وفاقی حکومت قومی اسمبلی اور سینیٹ میں ہر سال ایک رپورٹ پیش کرے گی جس میں سود کے مکمل خاتمہ کی طرف پیش رفت بیان کی جائے گی۔

آخری کم و بیش ۲۰ صفحات میں چیف جسٹس نے اپنے ریمارکس میں وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار کے حوالہ سے تفصیلی اظہار خیال کیا ہے۔

آئندہ کام کے لیے ایجنڈا

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کو بجا طور پر تاریخ ساز قرار دیا جا رہا ہے۔ بالخصوص دینی طبقات میں بلاتفریق مسلک اس کی تحسین کی گئی ہے۔ سابقہ فیصلوں کو اور آگے بڑھاتے ہوئے اس فیصلے میں ربا کی تعریف اور اس کی حیثیت کو علمی اور قانونی دلائل کے ساتھ دوٹوک طور پر متعین کر دیا گیا ہے۔ یوں عدالت نے اپنا کام کر دیا ہے۔ مجوّزہ نظام کی تفصیلات اور عملدرآمد کی حکمتِ عملی کا کام اب دیگر افراد، اداروں اور سب سے بڑھ کر حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔

مقامی اور عالمی سیاسی اور اقتصادی منظر نامہ کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ خدشہ بے جا نہیں ہے کہ رائج مالیاتی نظام سے فوائد اٹھانے والے مفاد پرست عناصر کی جانب خاموش نہ رہیں گے۔ ان کی جانب سے مختلف حربے اختیار کرتے ہوئے طے شدہ چیزوں کو ایک بار پھر متنازعہ بنا کر عملی اقدامات کو التوا میں ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس اعتبار سے فیصلہ کی حفاظت اور اس پر عملی اقدامات بڑے چیلنجز ہیں۔

ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے بہت سے متنوع دائروں میں کام کی ضرورت ہے۔ ایک اہم میدان قانون سے متعلق ہے۔ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ فیصلے کے حوالہ سے وہ کیا قانونی نکات ہوسکتے ہیں جن کو بنیاد بنا کر پورے پراسس کو التوا میں ڈالنے یا کم از کم الجھانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ دوسری جانب موجودہ فیصلہ کے تسلسل میں کیا ایسے کسی جامع قانون کی تشکیل پر غور کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعے حکومتوں کو ہمیشہ کے لیے پابند کر دیا جائے۔ اس سے ملتا جلتا ایک عنوان یہ بھی ہے کہ متعلقہ موضوعات پر بہت سے متفرق قوانین کو یکجا کر کے جامع قوانین میں ڈھالا جائے۔

قانونی دائرہ میں ایک اور کام یہ ہے کہ فیصلہ کی تنقیح کرتے ہوئے ان پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے جو فیصلہ میں موجود کسی ابہام یا کمزوری کی علامت ہوسکتے ہیں، اور اگر ایسی کوئی چیزیں ہیں تو انھیں کس طرح موجودہ پیش رفت کو متأثر کیے بغیر قانونی طور پر بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب فیصلہ پر عملدرآمد کے عمل کو تیز تر کرنے کے لیے مختلف موجودہ قوانین اور ریگولیٹری میکنزم میں درکار تبدیلیوں کا تعین اور اس کے لیے کوششوں کا اہتمام ہے۔ یہ کام آگے بڑھ کر کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں قانون کے ساتھ ساتھ اقتصادی دائرہ میں سرگرم ماہرین کا اشتراک ناگزیر ہوگا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مقدمہ کی سماعت کے دوران کم و بیش تمام مکاتبِ فکر کی جانب سے موقف کے اظہار میں ہم آہنگی نظر آئی۔ ضروری ہے کہ اس ہم آہنگی کو نہ صرف برقرار رکھا جائے بلکہ زیر بحث مسئلہ کو بنیاد بنا کر اور بھی آگے بڑھایا جائے۔ موجودہ سیاسی تفریق میں یہ کام اس

لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ فیصلہ اور اس کے بعد حکمت عملی اور اقدامات کسی ایک سیاسی گروہ کی حمایت اور دوسرے کی مخالفت کا عنوان نہ بنیں۔ اس اعتبار سے ایسے طرزِ عمل سے بھی گریز کرنا چاہیے کہ یہ فیصلہ کسی ایک گروہ کی کامیابی قرار دیا جائے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلامی مالیاتی نظام کے حوالہ سے لٹریسی کا عمومی طور پر فقدان ہے۔ دوسری جانب اس کا بھی تعین کرنا ہوگا کہ حکومت کے کس ادارے نے کیا کام کرنا ہے۔

یہ صورتِ حال آگہی اور رائے سازی کی ایک ہمہ گیر مہم کی ضرورت کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ عوام کے تمام ہی طبقات، بالخصوص کاروباری اور تجارتی حلقے، اس حوالہ سے اہم ہیں لیکن پالیسی ساز اور رائے ساز حلقوں کی خصوصی اہمیت ہے۔ اس کے ساتھ ہی مالیاتی شعبے سے وابستہ افراد اور اداروں کو ہدف بنانا ہوگا۔

یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک چھوٹے سے ادارے میں بھی ایک بڑی ایکسر سائز کا تقاضہ کرتا ہے۔ ملک بھر میں رائج نظام کو اس مرحلہ سے گزارنا فی الواقع ایک بہت بڑا کام ہے۔ اس اعتبار سے آگہی اور ایڈ ووکیسی سے جڑا معاملہ متعلقہ اداروں اور افراد کی اور تربیت کا ہے۔ اس کے بغیر کسی چلتے ہوئے نظام کو تبدیل کرنے کے لیے درکار استعداد حاصل نہیں کی جا سکتی۔

آگہی اور ایڈووکیسی کی کسی بھی مہم کا ایک ہدف حکومت پر اس فیصلے کے مطابق پیش رفت کے لیے مثبت دباؤ برقرار رکھنا اور اس کے لیے سہولت کاری ہے۔ کیونکہ آخری مرحلہ میں حکومتی سطح پر کسی بھی اقدام [کرنے یا نہ کرنے] کے لیے مضبوط سیاسی ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مضبوط سیاسی ارادہ عوامی دباؤ اور ماہرین کی آمادگی کے بغیر ممکن نہیں ہوگا۔

اسلامی بنکاری کے حوالہ سے اب تک کے تجربات میں جو پیش رفت ہوئی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ تاہم اس امر کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اس حوالہ سے بہت سے تحفظات بھی موجود ہیں۔ ان تحفظات کے تجزیہ کے لیے ماہرین کے اشتراک کے ساتھ علمی و تحقیقی میدان میں غیر معمولی کوششوں کی ضرورت ہوگی۔ نئے نئے پراڈکٹس تیار کیے جائیں اور یہ سلسلہ محض بنکاری کے عمومی میدان تک ہی محدود نہ ہو بلکہ معیشت کے دیگر سیکٹرز۔ زراعت، مائکروفنانس، صنعت وتجارت وغیرہ تک وسیع ہو۔ اس ضمن میں ملک کے اندر [اخوت وغیرہ] اور بیرون ملک [ملائشیا اور بعض دیگر مما لک میں] جو تجربات ہوئے ہیں ان سے استفادہ کی ضرورت ہوگی۔

اس بات کو دہرانے اور بار بار دہرانے کی ضرورت ہے کہ سود کا خاتمہ اور اس میں سے بھی بنکاری سے سود کا خاتمہ اسلامی معاشی نظام کا محض ایک چھوٹا سا جزو ہے۔ بنکاری کا معاملہ میں تو یہ پہلو بھی سامنے رہنا چاہئے کہ بنیادی طور پر یہ منافع کے حصول کو ہی ہدف بناتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے معاشی نظام سے جڑے رفاہی اور فلاحی اہداف اس کا اولین ہدف نہ ہیں اور نہ غالباً ہو سکتے ہیں۔

اس پس منظر میں جہاں عدالت کے فیصلہ پر مثالی عمل درآمد کو یقینی بنانا ضروری ہے وہیں اصل ہدف یعنی اسلام کے مکمل معاشی نظام کے تقاضوں اور اہداف کو پورا کرنے کے لیے بہت سے دوسرے دائروں میں اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں اہم ترین کام زکوٰۃ کے نظام کو مؤثر انداز میں نافذ کرنا ہے جس کے لیے قرآن مجید میں براہ راست اور متعدد بار تاکید کی گئی ہے۔

سماجی تحفظ کے لیے اس کے علاوہ بھی جو دیگر احکامات ہیں انھیں اجتماعی زندگی کا حصہ کیونکر بنایا جائے اس پر بہت سا کام علمی وتحقیقی، قانونی اور سیاسی دائروں میں کرنا ہوگا۔ فیصلہ کا پیرا گراف ۱۵۵ اس کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ دہرانا ہوگا کہ اسلامی معاشی نظام کسی جزیرے میں نافذ نہیں ہوسکتا۔ یہ معاشی نظام اسلام کے مجموعی نظام کا حصہ ہے جو اسلام کے قانونی وعدالتی، اور تعلیمی ودیگر نظاموں، سیاسی پالیسیوں اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی واخلاقی رویوں کے ساتھ جڑا ہو ہے۔ جب تک ان تمام پہلوؤں سے اصلاح نہ ہوگی معاشی دائرہ میں بھی اقدامات کلی طور پر نتیجہ خیز نہ ہوں گے۔

اس سے جڑا پہلو گورننس کا ہے۔ اچھے سے اچھا قانون اور پالیسی بالآخر اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ تنفیذ کے نتیجہ میں بارآور ہوتی ہے۔ اس حوالہ سے وطن عزیز میں اس وقت صورت حال کسی طرح بھی مثالی نہیں ہے۔ خود معاشرے کی اخلاقی حالت میں آنے والا بگاڑ اس کی ایک علامت بھی ہے اور اس کا سبب بھی۔ حکومتوں، سیاسی قیادت، اصلاحی ودینی تنظیموں اور دانشوروں سمیت معاشرے کے ہر طبقہ کو اس میں کردار ادا کرنا ہوگا۔

اوپر بیان کی گئی ان مشکلات سے قطع نظر شرعی عدالت کے فیصلہ نے سود کے بارے میں یکسوئی پیدا کرتے ہوئے ایک نئی اور موقع فراہم کر دیا ہے۔ ایسی حقیقی جذبہ کے ساتھ کیے جانے والے عملی تجربات سے خود بخود وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔ اسی جذبہ کے ساتھ اس پر آگے بڑھنے کی ضرورت ہوگی۔

جہاں تک فیصلہ کے مطابق بنکوں کو پانچ سال کے اندر غیر سودی نظام کی طرف منتقل کرنا ہے اس کے لیے تازہ ترین کامیاب مثال فیصل بینک کی ہے جس نے اتنے ہی عرصہ میں دنیا بھر میں پھیلے اپنے آپریشن کو غیر سودی بنایا ہے۔ اس ضمن میں پہلے قدم کے طور پر یہ پابندی لگا دینی چاہیے کہ آئندہ کسی بھی بنک کی کوئی نئی شاخ کنونشنل بنکنگ کی بنیاد پر نہیں کھولی جائے گی۔ دوسری جانب موجودہ شاخوں کو غیر سودی بنیادوں پر منتقل کرنے کے لیے سالانہ اور ششماہی اہداف مقرر کر دیے جائیں۔

پارلیمنٹ کو دستوری طور پر یہ موقع حاصل ہے کہ وہ مختلف موضوعات پر حکومتی کارکردگی پر نظر رکھے۔ درحقیقت یہ اس کی اہم ترین ذمہ داریوں کا حصہ ہے۔ اس پس منظر میں پارلیمنٹ اور اس کے تمام ارکان کا یہ فرض ہے کہ سود کے خاتمہ کے حوالہ سے اس فیصلہ کے مطابق حکومتی کارکردگی کی سالانہ رپورٹ اور اس پر بحث کو یقینی بنائیں۔

اس مشاورت کے شرکاء میں سابق سیکرٹری خزانہ اور اقتصادی امور پر وزیر اعظم کے سابق معاونِ خصوصی ڈاکٹر وقار مسعود، اسلامی ترقیاتی بینک کے ڈاکٹر سلمان سید علی، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد ایوب، پلاننگ کمیشن کے جوائنٹ چیف اکنامسٹ ظفر الحسن الماس، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے سابق وائس پریزیڈنٹ ڈاکٹر طاہر منصوری، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی میں سوشل سائنسز کے ڈین ڈاکٹر عتیق الظفر خان، میزان بینک کے ایگزیکٹو وائس پریزیڈنٹ فرحان الحق عثمانی، پاک قطر فیملی تکافل کے کے چیف ایگزیکٹو آفیسر عظیم پیرانی، تنظیمِ اسلامی پاکستان کے رہنما حافظ ڈاکٹر عاطف وحید، ربا کے خلاف مقدمے میں جماعتِ اسلامی کے وکلاء کی ٹیم میں شامل سیف اللہ گوندل ایڈووکیٹ، قائد اعظم یونیورسٹی کے شعبہ اکنامکس کے ڈاکٹر انور شاہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی ڈاکٹر غزالہ غالب، ماہر قانون امینہ سہیل، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ قانت خلیل، مالیاتی قوانین کے ماہر عمران شفیق ایڈووکیٹ، ترکی میں اقتصادی امور سے متعلق تنظیم کے احسن شفیق، اور دیگر نے شرکت کی۔ مشاورتی نشست کی صدارت انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے چیرمین خالد رحمٰن نے کی۔

والدین کی ذمہ داریاں

صاحبزادہ محمد امانت رسول

بچہ پوری شخصیت لے کر پیدا ہوتا ہے، وہ اس خیال سے ہر کام کرتا ہے کہ یہ درست اور صحیح ہے۔ وہ کبھی خود کو ناقص اور نامکمل خیال نہیں کرتا۔ والدین کو اس کی شخصیت اور نفسیات کا فہم بہت ضروری ہے۔ یقیناً بچہ یا اولاد والدین کی عمر اور تجربہ پہ کھڑا ہو کر سمجھے گا نہ بات کرے گا لیکن والدین اس عمر اور تجربہ سے گزر چکے ہوتے ہیں لہٰذا وہ بچے سے اس کی سطح پہ آ کر بات کر سکتے ہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس کا بچہ ہے اسے چاہیے اس کے ساتھ بچہ بن جائے" بچہ بننے سے مراد اس کی ذہنی اور نفسیاتی سطح پر آ کر اس سے بات کرے، اسے کم عقلی بے وقوفی یا ناتجربہ کاری کا طعنہ نہ دے۔ اگر آپ کبھی دو بچوں کو آپس میں بات کرتے ہوئے سنیں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ والدین کیسے اپنے بچوں کے ساتھ بچہ بنیں، دونوں بچے آپس میں پر اعتماد بن کر اور سنجیدگی سے گفتگو کرتے اور معاملات زیرِ بحث لاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی نفسیات کو مدنظر رکھ کر فرمایا۔ جب آپ مدینہ میں داخل ہوتے تو بچوں کو اپنے ساتھ سواری پر بیٹھا لیتے۔ کھانا کھاتے تو بچوں کو کھانے میں شریک کر لیتے۔ بچوں کے ساتھ کھیلتے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی سواری بنتے انہیں اپنی پیٹھ یا کندھوں پہ سوار کر لیتے۔ بچوں کے ساتھ مزاح بھی فرماتے۔ آپ کا عمل آپ کے قول کی تشریح ہے کہ "بچوں کے ساتھ بچہ بن جاؤ"۔ والدین کی تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی اس شعور کے ساتھ ہو سکتی ہے کہ وہ بچوں کے نفسیاتی تقاضے اور ان کی عمر کے سانچے کو سمجھیں اور ان سے معاملہ کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ والدین کی پہلی ذمہ داری ہے جب والدین اس ذمہ داری کا ادراک کر لیں گے تو ان کے لیے دیگر بنیادی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں آسانی رہے گی۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ اسلام میں پورے پورے داخل ہوں۔ قبولیت اسلام کے بعد pick and choose کا اختیار نہیں ہے۔ کوئی یہ کہے کہ میں اسلام کے اِس حکم کی پیروی کروں گا اور اُس حکم کی پیروی نہیں کروں گا۔ اب اسے صرف اللہ کے حکم کی پیروی بجالانی ہے۔ جب والدین پہ تمام احکام کا نفاذ ہوتا ہے تو اس طرح ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بھی اللہ کے احکامات کا شعور دیں۔ شعور دلانے کا طریقہ وہ ماحول ہے جو والدین گھر میں پیدا کرتے ہیں۔ والدین کو چاہیے توحید، رسالت اور آخرت

کے بارے میں اپنے بچوں کو آگاہ کریں۔ ان کا علم فقط رسمی نہ ہو کہ ہم ایمان لائے اور اس کے بعد ہم مسلمان ہو گئے اور بس۔ بلکہ وہ حقیقی تصور دیا جائے جو کردار و قلوب کو بدل دیتا ہے جس سے ایک نیا انسان تیار ہوتا ہے۔ توحید فقط ایک ذات برتر پہ اعتماد پیدا کرتی اور دیگر سہاروں سے بے نیاز کرتی ہے۔ رسالت زندگی کی شاہراہ پہ چلنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ آخرت کا تصور جواب دہی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ یہ عقائد ہیں جنہیں اولاد کی تربیت میں شامل کیا جائے۔ ہر مسلمان کو نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی اہمیت معلوم ہے۔ والدین اپنی اولاد کو اس بارے بھی آگاہ کریں۔ روزہ سال کی عبادت ہے۔ زکوۃ صاحبِ استطاعت پہ فرض ہے۔ نماز فقط ایسی عبادت ہے جو دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ باقی عبادات کی اہمیت اور تقاضئہ مسلّم۔ لیکن نماز کا پانچ مرتبہ ادا کرنا، ایک مسلمان کے کردار کی تعمیر و تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نماز انسان کو رب سے جوڑتی اور اس کے تعلق کو اپنے رب سے مضبوط کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے خود نماز ادا کی اور اپنی اولاد کو بھی اس کا حکم دیا۔

والدین کو نماز کے سلسلے میں اپنی اولاد پہ سختی کرنے کی اجازت ہے۔ اس سختی کی وجہ والدین کو باور کرانا ہے کہ اگر آپ دنیاوی کیریئر کے لئے سختی کرتے یا اپنی بات منوانے کے لئے مختلف حیلے اختیار کرتے ہیں یا ان کی تعلیم یا اعلیٰ تعلیم کے لئے Committed ہوتے ہیں یا اسے ترجیح دیتے ہیں تو اللہ کے احکامات کی پیروی کی اہمیت بھی اولاد کے شعور اور ذہن کا حصہ بناؤ۔ دنیاوی کامیابی اور ترقی کے لئے آپ نے ترجیحات طے کر رکھی ہیں۔ کسی نے سوال کیا کہ بچوں کو کتنا دین کا علم ہو کیا انہیں عالمِ دین ہونا چاہیے۔ نہیں، ہر شخص کو عالمِ دین نہیں بلکہ ہر شخص کو دین کا علم ضرور ہونا چاہیے۔

ہمارے لیے لازمی ہے کہ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں، ہمیں معلوم ہوتا جائے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ہم سے کیا کہتا ہے؟ اب یہاں بھی مسئلہ ترجیح کا ہے۔ اگر ہم دنیاوی کاروبار، اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ جاب کے لئے انگلش یا کوئی اور زبان سیکھتے ہیں تو کیا دین سمجھنے کے لئے ہم عربی زبان کی مبادیات نہیں سمجھ سکتے۔ اگر ہم دین سمجھیں گے تو ہم معاشرے میں مروّجہ بدعات اور خرافات سے محفوظ رہ سکیں گے۔ اس لئے عالمِ دین بننا سب کے لئے ضروری نہیں لیکن دین کا بنیادی علم سب کے لیے ضروری ہے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو نماز کی ادائیگی کی تلقین کریں۔ اگر باپ مسجد جاتا ہے تو بچوں کو ساتھ لے کر جائے۔ ماں گھر میں بیٹی کو اپنے ساتھ کھڑا کرے تاکہ ان کی زندگی کا چلن دینی سانچے میں ڈھلتا جائے۔ جب رمضان المبارک میں روزے رکھے جائیں خواہ بچے بالغ نہ ہوں۔ اگر باشعور اور صحت مند ہیں انہیں روزے رکھوائے جائیں خواہ وہ اسے مکمل کریں یا نہ کریں لیکن اس سے ان کی شخصیت پہ مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ والدین کی سوچ اولاد کے حوالے سے عملی پہلوؤں پہ مشتمل ہونی چاہیے۔ زندگی میں کامیابی اسی انسان کے قدم چومتی ہے جو مستقبل کے خطرات و چیلنج کا ادراک اور اس سے نمٹنے کی تیاری کسی حد تک زمانہ حال میں کرتا ہے۔

والدین اپنی اولاد کو زندگی کے دونوں عملی پہلوؤں (مشکلات اور آسانیاں) کے بارے میں آگاہ بھی کریں اور انہیں عمل کے سمندر میں کبھی کبھار غوطے بھی دلواتے رہیں۔ زندگی ایک ہی سطح اور ایک ہی رخ پہ ہر دم رواں دواں نہیں رہتی۔ اس سفر میں ہر طرح کے حالات کا سامنا رہتا ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے دور کے مطابق بچوں کی ہڈیوں میں محنت ڈال چاہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں اپنے ہر کام میں شامل کریں اس طرح ان کا جسم کام کا عادی اور ذہن حقائقِ زندگی کو سمجھنے کے قابل ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اولاد کی والدین کے ساتھ Association پیدا ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ دوستی کا رشتہ بنتا اور والدین کی company میں ان کا وقت گزرتا ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں والدین کی محنت اور جفاکشی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ معمولی کام اتنا وقت لیتا اور محنت طلب ہے تو والدین جس طرح خاندان کے نظام کو چلاتے ہیں اس میں کتنی محنت اور ذہنی مشق درکار ہوتی ہوگی ۔غیر محسوسانہ طریقے سے یہ سلوک اور رویہ اولاد کے ساتھ رہے تو اولاد اسے کوئی انتقامی کارروائی نہیں بلکہ زندگی کی حقیقت کے طور پر قبول کرتی ہے۔ چند باتیں ایسی ہیں جن میں والدین کو ہمیشہ احتیاط کرنی چاہیے۔اپنے بچوں کا آپس میں یا کسی اور بچوں کے ساتھ تقابل نہیں کرنا چاہیے۔اکثر والدین اپنے بچوں کا تقابل دوسروں سے کرتے رہتے ہیں ۔اس سے بچوں کے حوصلے تو پست ہوتے ہی ہیں،اس کے ساتھ ان میں دوسروں کے لئے حسد اور انتقام کے جذبات بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جو ان کی شخصیت کو "چوں چوں کا مربہ" بنا دیتے ہیں۔ایک شخصیت میں اعتماد کی کمی، دوسرا آگے بڑھنے میں خوف، تیسرا ارادے کی کمی، چوتھا دوسروں سے گھلنے ملنے سے پرہیز۔اس لیے بچوں کا تقابل کرنے کی بجائے ہر بچے کو اس کی شخصیت کے مطابق ڈیل کیا جائے اس کے جذبات و احساسات کو سمجھا جائے اور اس کی قدر کی جائے۔والدین میں اولاد کے نام بگاڑنے کا بھی رواج ہوتا ہے۔جس سے والدین اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کی شخصیت مسخ کرتے ہیں۔جب بچے کی انا، خودی اور عزتِ نفس کا خیال نہیں کیا جائے گا وہ کبھی بھی اپنا اعتماد بحال نہ کر سکے گا۔جب وہ اپنی نظروں میں آپ ہی گر جائے گا تو وہ کیسے معاشرے میں سربلند ہو کر زندگی بسر کرے گا۔

والدین بچوں میں تفریقی سلوک کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔کبھی بڑے کو چھوٹے پر، کبھی چھوٹے کو بڑے پر، کبھی بیٹے کو بیٹی پر اور کبھی بیٹی کو بیٹے پر ترجیح دے کر تفریق کی بنیاد رکھتے ہیں۔ایسے رویے سے بچے والدین سے ہی نہیں بلکہ باہمی طور پر بھی ایک دوسرے سے دوری اختیار کرتے ہیں۔بہن بھائیوں میں آپس کا تعلق کمزور ہی نہیں بلکہ حسد و عناد کا احساس جنم لیتا ہے۔والدین اولاد کے سامنے جھوٹ بولنے کے مرتکب ہوتے ہیں جس سے بچوں کی شخصیت میں سچ کی قدر کم ہو جاتی ہے۔وہ اسے کوئی اتنا بڑا گناہ خیال نہیں کرتے کیونکہ وہ والدین کو اس کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔دروازے پر کسی نے والدین کا پوچھا تو کہا کہ اسے کہہ دو کہ وہ گھر پر نہیں ہیں جبکہ وہ گھر پر ہوتے ہیں،اس سے بچے کی نظر میں جھوٹ جھوٹ نہیں رہتا اور سچ سچ نہیں رہتا۔والدین کی یہ عادت بھی قابلِ تحسین نہیں ہے کہ وہ اولاد کے سامنے گالی گلوچ اور لغو گفتگو بے دریغ کرتے ہیں، اگر وہ کسی بات پہ طیش میں آتے ہیں تو اس حالت میں وہ کسی قسم کی تفریق و تمیز بھول جاتے ہیں۔انہیں یاد نہیں رہتا کہ ان کے بچے گالیاں اور لغو گفتگو سن رہے ہیں۔کل اگر وہ ہی الفاظ بچے استعمال کرتے ہیں تو والدین بچوں کو منع کرتے ہیں کہ یہ اندازِ گفتگو درست نہیں ہے حالانکہ اولاد نے یہ اندازِ گفتگو والدین سے ہی سیکھا ہوتا ہے۔

پاکستان کا آئینی سفر اور اہم سوالات

تحریر: سید اسد عباس

کسی بھی ملک کا آئین اگرچہ کوئی الہامی دستاویز تو نہیں ہے، تاہم عوام کی اکثریت سے توثیق حاصل کرنے والا یہ اساسی مسودہ اہم ضرور ہوتا ہے۔ اگر اس مسودے کا احترام نہ کیا جائے اور اس دستاویز کو اس کی حقیقی روح کے مطابق نافذ نہ کیا جائے تو ملک کے امور میں وہ توازن نہیں پیدا ہو سکتا، جو اس دستاویز کا حقیقی ہدف ہے۔ آئین پاکستان 1973ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے دوران تیار کیا گیا، جس کے لیے ان کی حکومت کو اپوزیشن جماعتوں کی بھی حمایت حاصل تھی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کے اعلیٰ ترین دماغوں نے قیام پاکستان سے لے کر تقسیم پاکستان تک کے اپنے تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسی دستاویز تیار کی، جس کے تحت ایک وفاق قائم کیا گیا، جس میں پاکستان کے صوبوں کے عوام اور عوامی نمائندوں کی آراء بھی شامل تھیں۔ آج ملک کی تمام سیاسی جماعتیں، ادارے اس آئین کو قبول بھی کرتے ہیں اور زبانی طور پر اس کے تحت کام بھی کرتے ہیں۔ آئین پاکستان 10 اپریل کو قومی اسمبلی سے منظور ہوا اور 14 اگست 1973ء کو اس کی توثیق کی گئی۔

اس آئین کے پہلے تین ابواب ملک کے تین بنیادی ارکین کی حاکمیت، مینڈیٹ اور اختیارات کو بیان کرتے ہیں، جس میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ شامل ہیں۔ اس آئین کے تحت مقننہ کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی، جو آئین سے متصادم ہو، تاہم دو تہائی اکثریت سے مقننہ آئین کو بدلنے کا اختیار رکھتی ہے۔ تکنیکی طور پر اس آئین میں اب تک 26 ترامیم کی گئی ہیں، جن میں سے 23 ترامیم آئین کا حصہ ہیں جبکہ تین ترامیم پارلیمان نے منظور نہیں کیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان کے بعد فروری 1948ء میں ریڈیو پر خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کو اس ملک کا آئین تشکیل دینا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی حتمی شکل وصورت کیا ہوگی، تاہم میرے خیال میں یہ ایک جمہوری آئین ہوگا، جس میں اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھا جائے گا، کیونکہ یہ اصول آج بھی ویسے ہی قابل عمل ہیں، جیسے تیرہ سو سال پہلے تھے۔ اسلام اور اس کی مثالیت پسندی نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے۔ اس نے ہمیں انسانوں کی برابری، عدالت اور مساوات کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم روایات کے امین ہیں۔۔۔

1956ء کا آئین

قیام پاکستان سے قبل انگریز نے برصغیر پاک وہند کے امور کو چلانے کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پیش کیا تھا، جو 1935ء ایکٹ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ 1947ء میں قائم ہونے دونوں ریاستوں ہندوستان اور پاکستان کی اساسی دستاویزات میں یہ ایکٹ بنیادی اساس کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم نے اگرچہ 1950ء میں ہی نئے آئین پر کام کا حکم دے دیا تھا، تاہم یہ کام 1956ء تک مکمل نہ ہو سکا۔ خدا خدا کر کے 1956ء میں ملک کا پہلا آئین منظور ہوا، جو دو برس بعد ہی معطل کر دیا گیا۔ 1956ء کے آئین نے پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا۔ قرارداد مقاصد جیسی اہم دستاویز کو آئین کا اساسی جز و قرار دیا گیا۔ قرارداد مقاصد 1973ء کے آئین کا حصہ نہ تھی، جسے صدر ضیاء الحق نے 1985ء میں ایک ترمیم کے ذریعے آئین کا حصہ بنایا۔ آئین پاکستان 1973ء کی دفعہ نمبر 2 کے مطابق اسلام مملکتی مذہب

ہوگا، جبکہ دفعہ نمبر 2 کے ضمیمہ میں قراردادِ مقاصد کو آٹھویں ترمیم صدارتی فرمان 2 مارچ 1985ء کے مطابق شامل کرلیا گیا ہے جو یوں ہے: ضمیمہ میں نقل کردہ قراردادِ مقاصد میں بیان کردہ اُصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بحسبہ مؤثر ہوں گے۔"

قراردادِ مقاصد

اس قرارداد کے الفاظ حسب ذیل ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے۔ اُس نے جمہور کے ذریعے مملکت پاکستان کو جو اِختیار سونپا ہے، وہ اُس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ مجلس دستور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے، آزاد و خودمختار پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس کی رو سے مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ جس کی رو سے اسلام کے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کا پورا اتباع کیا جائے گا۔ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنا دیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو قرآن و سنت میں درج اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق ترتیب دے سکیں۔ جس کی رو سے اس امر کا قرارواقعی اہتمام کیا جائے گا کہ اقلیتیں، اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھنے، عمل کرنے اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دینے کے لیے آزاد ہوں۔ جس کی رو سے وہ علاقے جواب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہوجائیں، ایک وفاق بنائیں گے۔*

جس کے صوبوں کو مقررہ اختیارات و اقتدار کی حد تک خودمختاری حاصل ہوگی۔ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں جہاں تک قانون و اخلاق اجازت دیں، مساوات، حیثیت و مواقع کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہارِ خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور جماعت کی آزادی شامل ہوگی۔ جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقات کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔ جس کی رو سے نظام عدل گستری کی آزادی پوری طرح محفوظ ہوگی۔ جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی صیانت، آزادی اور جملہ حقوق، بشمول خشکی وتری اور فضا پر صیانت کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا، تاکہ اہل پاکستان فلاح و بہبود کی منزل پا سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کریں اور امن عالم اور بنی نوع انسان کی ترقی وخوش حالی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔

1956ء کا آئین پارلیمانی آئین تھا، جس میں وزیر اعظم سربراہ مملکت تھا۔ اس آئین کے مطابق مقننہ ایک شوریٰ پر مشتمل تھی، جس کے 300 ممبران تھے۔ 150 ممبران مشرقی پاکستان سے جبکہ اتنے ہی ممبران مغربی پاکستان سے تھے۔ اس آئین کے مطابق صدر مملکت کا عہدہ ایک اعزازی عہدہ تھا۔ آئین میں کہا گیا کہ ملک کا کوئی قانون قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہوگا۔ عدلیہ آزاد ہوگی۔ انگریزی، اردو اور بنگالی کو قومی زبانوں کا درجہ دیا گیا۔

1962ء کا آئین

ملک میں 1958ء میں مارشل لاء لگنے کے سبب 56 کا آئین اپنے ظہور کے دو برس بعد ہی معطل ہوگیا۔ اس وقت کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور بعد کے صدر ایوب خان نے نئے آئین کی تشکیل کے لیے ایک کمیشن چیف جسٹس محمد شہاب الدین کی سرکردگی میں قائم کیا۔ اس کمیشن نے اپنی تجاویز 1961ء میں پیش کیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایوب خان نے چیف جسٹس محمد شہاب کی تجاویز کو مکمل بدل کر 1962ء میں ایک نیا آئین پیش کردیا۔ اس آئین کے تحت ملک میں صدارتی نظام نافذ کیا گیا۔ 1956ء کے برعکس یہ آئین صدر کو زیادہ اختیارات تفویض کرتا تھا۔ بنیادی طور پر یہ آئین صدر ایوب نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے پیش کیا تھا، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ صدر ایوب نے اپنے اقتدار

مئی/جون 2022
شوال/ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ

کے لیے فاطمہ جناح کو بھی نہ بخشا۔

1970ء کا لیگل فریم ورک آرڈر

صدر ایوب نے اس وقت کے آرمی چیف جنرل یحییٰ کو مارشل لاء لگانے کا کہا، یوں یحییٰ ملک کے سربراہ بن گئے۔ملک میں عام انتخابات کروانے کے لیے جنرل یحییٰ خان نے ایک لیگل فریم ورک آرڈر کا اعلان کیا۔1970ء میں ملک بھر میں انتخابات ہوئے، جس میں عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان اور پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کی۔عوامی لیگ نے لیگل فریم ورک آرڈر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ 1971ء میں عوامی لیگ، پیپلز پارٹی اور فوج کے مابین مذاکرات ہوئے، جو بے نتیجہ رہے۔یوں ہندوستان کی مداخلت کے سبب ڈھاکہ پاکستان سے جدا ہو گیا۔

1973ء کا آئین

73 کا آئین، جسے آئین پاکستان بھی کہا جاتا ہے، تقسیم پاکستان کے بعد کی کاوش ہے۔ذوالفقار علی بھٹو جو 1962ء کے آئین کے مطابق امور سلطنت چلا رہے تھے، انہوں نے 1972ء میں ملک کی سیاسی جماعتوں کو آئین کی تشکیل کے لیے مدعو کیا اور آئینی کنونشن منعقد کیا، جس میں سیاسی جماعتوں کے قائدین، قانونی ماہرین، آئینی ماہرین، مذہبی راہنماؤں کی بڑی تعداد نے نئے آئین کی تشکیل کے لیے مل کر کام کیا۔ملک کی قومی اسمبلی کے تمام اراکین نے نئے آئین کو فروری 1973ء میں قبول کیا، یہ آئین اپریل 1973ء میں اتفاق رائے سے منظور ہوا اور 14 اگست 1973ء کو اس آئین کی توثیق نیز نفاذ کر دیا گیا۔اسی روز صدر ذوالفقار علی بھٹو کو ملک کے وزیر اعظم کی حیثیت سے اعتماد کا ووٹ ملا اور فضل الٰہی کو ملک کا صدر بنا دیا گیا۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا کہ 73 کا آئین پارلیمانی آئین ہے، جس میں وزیر اعظم ملک کا سربراہ ہے۔اس آئین کی رو سے انسانی، مذہبی آزادیوں کی فراہمی کو یقینی بنایا گیا۔اسلام کو ریاستی مذہب قرار دیا گیا۔پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کو از سر نو بیان کیا گیا۔اس آئین کے تحت تمام ریاستی اداروں کے مابین توازن کو یقینی بنایا گیا۔احتساب، اختیار کو بیان کیا گیا۔مقننہ کے دو ایوان تشکیل دیئے گئے۔اس آئین کے تحت چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ پر مشتمل ایک کونسل تشکیل دی گئی، اسی طرح قومی معاشی کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا، جو این ایف سی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ترامیم

گذشتہ آئینی دستاویزات کے برعکس 73 کا آئین بدلا نہیں جا سکتا۔اس آئین میں ترمیم کے لیے پارلیمان میں دو تہائی اکثریت درکار ہے۔اسی طرح ہر ترمیم کو دونوں ایوانوں کی تائید حاصل ہونی چاہیئے۔وفاق سے متعلق ترامیم کے لیے قانون سازوں کی اکثریت درکار ہوتی ہے۔ آئین پاکستان میں اب تک 25 ترامیم ہو چکی ہیں، جن میں صدر ضیاء الحق کی آٹھویں ترمیم، پرویز مشرف کے دور میں کی گئی سترھویں ترمیم، جس کے تحت ملک کا نظام پارلیمانی کے بجائے نیم صدارتی کیا گیا اور پیپلز پارٹی کے تیسرے دور اقتدار 2010ء میں کی گئی اٹھارویں ترمیم شامل ہیں، جس کے تحت ایک مرتبہ پھر ملک کو پارلیمانی نظام کے تحت کر دیا گیا۔آئین میں پچیسویں ترمیم فاٹا کے علاقوں کو خیبر پختونخوا کا حصہ بنانے سے متعلق ہے، جو عمران خان کے دور اقتدار میں آئین کا حصہ بنی۔

آئین پاکستان کی مختلف شقیں ابتدائیہ سمیت 12 اجزاء پر مشتمل ہیں، جن میں تعارف، بنیادی حقوق، وفاق پاکستان، صوبے، وفاق اور صوبوں کے تعلقات، معیشت، عدلیہ، انتخابات، اسلامی احکامات، ہنگامی احکامات، آئین میں ترمیم نیز متفرقات پر مشتمل ہیں۔ آئین میں بیوروکریسی اور حکومتی پالیسیوں سے متعلق بھی کچھ اجزاء شامل ہیں، جن کو شیڈول کا عنوان دیا جاتا ہے۔ 73ء کے آئین پر اس وقت کی اسمبلی کے 150 اراکین نے دستخط کیے جبکہ میاں محمد علی قصوری، ڈاکٹر عبدالحئی بلوچ، عبدالخالق خان، حاجی علی احمد خان اور نظام الدین حیدر نے دستخط نہ کیے۔

چند اہم سوالات

ہم نے سطور بالا میں تفصیلات میں گئے بغیر اجمالی طور پر پاکستان کے آئینی سفر کو بیان کیا۔ صورتحال یہ ہے کہ ملک میں موجود اداروں، سیاستدانوں، قانونی و آئینی ماہرین، دانشوروں اور مذہبی سکالرز سے 73ء کے آئین کی تعریفیں سنتے نہیں تھکتے۔ ہر شخص آئین کی پاسداری کی بات کرتا ہے، لیکن عام شہری یہ سوال کرتا ہے کہ اس آئین کو توڑنے اور اس کے خلاف عمل کرنے میں کون ملوث ہے۔؟ کیا آئین توڑنے والوں اور اس کی روح کے خلاف عمل کرنے والوں کے خلاف کوئی سزا اس آئین میں تجویز ہے۔؟ کیا یہ آئین اس قابل نہیں ہے کہ اس کی روح کو معطل کرنے والوں کو روک سکے۔؟ آئین کی خلاف ورزی کا سد باب کس کی ذمہ داری ہے۔؟ آئین کے ہوتے ہوئے غیر آئینی اقدامات کیا اس بات کا عندیہ نہیں ہیں کہ اس آئین سے اوپر بھی ایک آئین موجود ہے، جو آئین پاکستان کی تحریر کا حصہ نہیں ہے۔؟ یہاں یہ سوال بھی اہم ہے کہ اس ملک کے ساتھ کب تک تجربات کا سلسلہ جاری رہے گا۔؟ کیا ہمارے لیے ایک تقسیم کا سبق کافی نہیں ہے۔؟ عوام کو تو ہم نے اپنے ذاتی مفادات پر قربان کر ہی دیا، کیا ہم وطن کو بھی ان مفادات کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں۔؟

ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی تحریر خواہ کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، جب تک اس پر اس کی حقیقی روح کے مطابق عمل نہ کیا جائے، بہتری کے لیے کسی معجزے کی توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے۔؟ آئین کہتا ہے کہ مقننہ کے اراکین کو صادق و امین ہونا چاہیئے، یہاں صورتحال یہ ہے کہ پاکستان بھر کے چور، اچکے، رسہ گیر ایوانوں کا حصہ ہیں۔ آئین کہتا ہے اگر کوئی شخص صادق و امین نہیں ہے تو اس کو ایوان سے بے دخل کیا جائے، یہاں اس کے خلاف ثبوت ہی پورے نہیں ہوتے۔ ثبوت مل بھی جائیں تو خارجی قوتیں اس اچکے کو اپنی پناہ میں لے لیتی ہیں اور ملکی ادارے بے بسی سے منہ میں انگلیاں ڈالے ایک دوسرے کو تکتے رہتے ہیں، جبکہ اگر کوئی جرم کسی کمزور سے سرزد ہو جائے تو نسلوں کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

آئین کہتا ہے مقننہ کے اراکین کی خرید و فروخت جرم ہے، ضمیر فروش کو مقننہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں، لیکن اس ضمیر فروشی کی سزا کا تعین کب ہوگا، اس پر ہمارے ادارے عجیب قسم کی سستی اور کاہلی کا شکار ہیں۔ آئین کہتا ہے کہ شہری آزادی، مذہبی آزادی، مواقع کی فراہمی، عدالت تک رسائی ہر شہری کا حق ہے اور پاکستان میں صورتحال یہ ہے کہ جب جس کا دل چاہتا ہے، ان آئینی حقوق سے کھلواڑ کرتا ہے اور ادارے آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ کر گونگے بہرے بن جاتے ہیں۔ کیا اس طرح پاکستان ترقی کر پائے گا۔؟ سوالات اور بھی بہت ہیں، جو آج ہر سوچنے والا پاکستانی کرتا ہے، تاہم یہ وہ سوالات ہیں، جن کا جواب ہر ذمہ دار کو دینا ہے اور نہ صرف یہ کہ جواب دینا ہے بلکہ ان غلطیوں کی اصلاح کرنی ہے، ورنہ ہمیں ذہنی طور پر کسی بھی بڑے حادثے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ بقول قابل اجمیری:

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

دوسری ترمیم کے بعد پاکستان میں قادیانیوں کی حکمت عملی

تحریر: سید اسد عباس

7 ستمبر 1974ء تاریخ پاکستان کا وہ دن ہے، جب ملک کی پارلیمان نے اتفاق رائے سے قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دینے کے لیے دوسری ترمیم منظور کی۔ اس قرارداد کے اسمبلی میں پیش ہونے، اس پر بحث اور پاس ہونے کے مرحلے کی ایک تفصیلی تاریخ ہے، جو کہ اس وقت موجود کئی شخصیات نے تفصیلاً تحریر کی ہے۔ اس تحریر میں میرا مقصد اس سارے واقعے کا ایک اجمالی جائزہ ہے۔ قادیانیوں کے خلاف پیش کی جانے والی قرارداد جو بعد میں آئین کا حصہ بنی، کی محرکین درج ذیل شخصیات تھیں: مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری، پروفیسر غفور احمد، مولانا سید محمد علی رضوی، مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک)، چودھری ظہور الٰہی، سردار شیر باز خان مزاری، مولانا محمد ظفر احمد انصاری، جناب عبدالحمید جتوئی، صاحبزادہ احمد رضا قصوری، جناب محمود اعظم فاروقی، مولانا صدرالشہید، مولانا نعمت اللہ، جناب عمر خان، مخدوم نور محمد، جناب غلام فاروق، سردار مولا بخش سومرو، سردار شوکت حیات خان، حاجی علی احمد تالپور، جناب راؤ خورشید علی خان، جناب رئیس عطاء محمد خان مری۔

بعد میں حسب ذیل ارکان نے بھی قرارداد پر دستخط کئے: نوابزادہ میاں محمد ذاکر قریشی، جناب غلام حسن خان ڈھاندلا، جناب کرم بخش اعوان، صاحبزادہ محمد نذیر سلطان، مہر غلام حیدر بھروانہ، میاں محمد ابراہیم برق، صاحبزادہ صفی اللہ، صاحبزادہ نعمت اللہ خان شنواری، ملک جہانگیر خان، جناب عبدالسبحان خان، جناب اکبر خان مہمند، میجر جنرل جمالدار، حاجی صالح محمد، جناب عبدالمالک خان، خواجہ جمال محمد کوریجہ۔

آئین کی دفعہ 106 میں ترمیم: اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں جسے بعدازیں آئین کہا جائے گا۔ دفعہ 106 کی شق (3) میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) درج کئے جائیں گے۔

آئین کی دفعہ 260 میں ترمیم: آئین کی دفعہ 260 کی شق (2) کے بعد حسب ذیل شق درج کی جائے گی۔ (3) مسلمان وہ ہے، جو اللہ کی واحدانیت نیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی بھی شخص کو جس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہو، لفظ یا کسی بھی وضاحت کے کسی بھی معنی میں اس پر یقین نہیں رکھتا، یا اسے ایک نبی یا مذہبی مصلح کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔

(ب) ”غیر مسلم“ سے مراد وہ شخص ہے، جو مسلمان نہیں ہے اور اس میں عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ یا پارسی برادری سے تعلق رکھنے والا فرد، قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ کا کوئی فرد شامل ہے، (جو خود کو احمدی یا کچھ اور کہتے ہیں) یا بہائی، اور ایک شخص جو درج فہرست ذاتوں میں سے کسی سے تعلق رکھتا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ شروع میں ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش کرنے سے انکار کیا، کیونکہ ان کے نزدیک پارلیمنٹ وہ فورم نہیں تھا، جس پر مذہبی بحثیں ہوں یا مذہبی فیصلے کیے جائیں، لیکن جب 18 مئی کو بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو بھٹو مذہبی جماعتوں کے دباؤ میں آ گئے اور انہیں مذہبی جماعتوں کا یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا کہ یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ ملک کا دانشور طبقہ اس آئینی

ترمیم کے حوالے سے دو رائے رکھتا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ ایک انتہائی بروقت اقدام تھا اور کچھ کا کہنا ہے کہ اس اقدام کے سبب دیگر مخالف مسالک کو بھی پارلیمان کے ذریعے اسلام سے خارج قرار دینے یا کم از کم ان کو اقلیت قرار دینے کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے، جو سرے سے ہی کسی ایسے اقدام کا مخالف ہے۔

اگرچہ قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دینے کی ظاہری وجہ اپریل یا مئی میں ربوہ سٹیشن پر ہونے والے فائرنگ کے نتیجے میں کچھ طلبہ کے قتل اور اس کے بعد پھوٹنے والے قادیانیت مخالف فسادات کو قرار دیا جاتا ہے، تاہم اس سارے عمل کا ایک تاریخی پس منظر بھی ہے، جس کو سمجھے بغیر ہم مسلمانوں کے دل میں پائے جانے والی قادیانیت بیزاری کو نہیں سمجھ سکتے۔ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ رسالت مآبؐ اللہ کے آخری نبی اور رسولؐ ہیں۔ ختم نبوت کے اس عقیدے پر ایمان لائے بغیر کوئی بھی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ قادیانی اس کے برعکس مرزا احمد قادیانی کی نبوت کے قائل ہیں، اس کے باوجود خود کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ قادیانیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس سلسلے میں میاں منیر احمد اپنے ایک مقالے بعنوان ''7 ستمبر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

> ''قادیانیت کی تاریخ کے مطابق 1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کے ''جذبہ جہاد'' کے تجزیے کے لیے برطانوی تھنک ٹینکس بیٹھے اور ''ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی آمد'' (The arrival of British Empire in India) کے عنوان سے ایک رپورٹ تیار کی گئی، جو انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں آج بھی موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق ملک (ہندوستان) کی آبادی کی اکثریت اپنے پیروں یعنی روحانی پیشواؤں کی اندھا دھند پیروی کرتی ہے۔ اگر اس مرحلے پر ہم ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں، جو اس بات کے لیے تیار ہو کہ اپنے لیے ''ظلی نبی'' (Apostolic Prophet) ہونے کا اعلان کر دے تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو جائے گی، لیکن اس مقصد کو سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔''

منیر احمد لکھتے ہیں کہ:

> ''برصغیر پاکستان و ہند میں علماء کی قادیانیوں کے حوالے سے رائے اور فتویٰ ایک تھا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم اور مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے منکرینِ ختمِ نبوت کے عقائد کو بے نقاب کیا۔ 21 تا 23 اکتوبر 1934ء کو قادیان میں پہلی احرار تبلیغ کانفرنس کا انعقاد اور اس میں ہندوستان کی چوٹی کی مذہبی قیادت کی شرکت مجلس احرارِ اسلام کے شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کا وہ جرأت مندانہ تاریخی اقدام تھا، جس نے پوری دنیا کے سامنے قادیانیت کو بے نقاب کیا اور خود برطانوی راج پر یہ واضح ہو گیا کہ یہ کام اِتنا آسان نہیں ہے کہ اقتدار اور دولت کے زور پر جھوٹی نبوت کو اسلام کے نام پر متعارف کرایا جا سکے۔''

میاں منیر احمد قادیانیوں کی سیاسی ریشہ دوانیوں کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں: ''قیامِ پاکستان کے وقت قادیانیوں نے باؤنڈری کمیشن میں ضلع گورداسپور کو شامل نہ کرنے کی سازش کی، تاکہ پاکستان کے لیے کشمیر جانے کا راستہ باقی نہ رہے، پھر ایک دوسرا موقع آیا، جب 1949ء میں پاکستانی فوج نے پونچھ پر قبضہ کر کے سری نگر کی طرف پیش قدمی کرنے کی پوری تیاری کر لی تھی، بھارتی وزیر اعظم نے برطانوی وزیر اعظم

سے مدد طلب کی تو قادیانی وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خاں نے برطانیہ کی مدد کرتے ہوئے حکومت کو حملہ روکنے پر راضی کرلیا۔ پاکستان بننے کے بعد اس فتنہ نے یہاں اپنے پنجے گاڑنے کی کوشش کی بلکہ یہ مشہور کر دیا کہ مرزا محمود کو خواب میں بھی بشارتیں ملی ہیں کہ صوبہ بلوچستان عن قریب مرزائی اسٹیٹ ہوگا، لہٰذا اسی لیے انہوں نے آزاد بلوچستان کی تحریک کی مدد کی، جس کو برطانیہ کی پشت پناہی حاصل تھی، اس وقت کی جانے والی سازش کو آج کے بلوچستان خصوصاً پاک چائنا اقتصادی راہداری کے تناظر میں بھی دیکھا جائے تو اس فتنہ کے عزائم کی سمجھ آجاتی ہے۔''

میاں منیر احمد مزید لکھتے ہیں:

''مرزا بشیر الدین محمود نے 1952ء کو قادیانیوں کا سال قرار دیا تھا۔ چودھری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ نے بیرون ممالک پاکستانی سفارت خانوں کو قادیانی تبلیغ کے اڈوں میں بدل کر رکھ دیا۔ جس کے جواب میں مجلس احرارِ اسلام نے مشائخ و علماء کرام وزعماء، جماعت اسلامی اور تمام مکاتب فکر کُل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر یکجا ہوئے اور حکومت کو اپنے مطالبات پیش کیے:

1۔ لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

2۔ کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹایا جائے اور چودھری ظفر اللہ خاں سے وزارتِ خارجہ کا قلمدان واپس لیا جائے۔

مطالبات منظور کیے جانے کے بجائے ملک میں تحریک تحفظ ختم نبوت کو کچلنے کے لیے ریاستی تشدد کی انتہاء کر دی گئی۔ قادیانی تنظیم فرقان بٹالین نے عاشقانِ مصطفیٰ پر گولیاں چلائیں۔ کراچی، لاہور، کوئٹہ، ملتان، ساہیوال، فیصل آباد (اس وقت لائل پور)، گوجرانوالہ اور دیگر شہروں میں ہزاروں فرزندانِ توحید کے خون سے ہاتھ رنگے گئے۔ مال روڈ لاہور پر لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ جزوی مارشل لا کا جبر پاکستان میں سب سے پہلے تحریک تحفظِ ختم نبوت پر آزمایا گیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف مارشل لا کے ضابطہ نمبر 8 اور تعزیرات کی دفعہ 153۔الف کے تحت مقدمہ چلایا گیا، مولانا کو سزائے موت سنائی گئی، تاہم اس سزا پر عمل درآمد نہیں ہوسکا۔''

قادیانی 74 سے قبل اور بعد

قادیانیوں کو جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تو اس کے اثرات ملک بھر میں موجود کلیدی عہدوں کے حامل قادیانیوں پر پڑے۔ نوبل انعام یافتہ نیوکلیئر سائنسدان اور پاکستان کے اٹامک منصوبے کے بانی ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔ 65 کی جنگ کے کئی ہیروز زیرو ہوگئے۔ رن آف کچھ کے ہیرو میجر جنرل افتخار جنجوعہ، 12 انفنٹری کے کمانڈر افتخار حسین ملک، چونڈا سیکٹر میں تعینات کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک، ایئر مارشل ظفر چوہدری سب قادیانی ہونے کے سبب گمنام ہوگئے۔ یہ گمنامی فقط معاشرتی سطح پر تھی، ان کے متعلقہ شعبہ جات اور اداروں میں ان افراد کو ان کا جائز مقام دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے نام پر کئی اداروں کے نام رکھے گئے، جن میں قائداعظم یونیورسٹی کا فزکس ڈیپارٹمنٹ، جی سی لاہور میں شعبہ ریاضی، جی سی لاہور میں ہی ڈاکٹر عبدالسلام فزکس چیئر شامل ہیں۔ اسی طرح میجر جنرل افتخار جنجوعہ کو ان کی خدمات کے صلہ میں ہلال جرات، ستارہ پاکستان اور ستارہ قائداعظم سے نوازا گیا۔ جنرل اختر حسین ملک کو ہلال جرات دیا گیا۔

ذرائع کے مطابق آج بھی کئی ایک قادیانی ملک میں کلیدی عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک ویب سائٹ کے مطابق کئی قادیانی اپنے آپ کو لبرل مسلمان کے طور پر متعارف کرواتے ہیں، یعنی وہ خود کو قادیانی نہیں لکھتے، تاہم درحقیقت وہ قادیانی ہی ہیں۔ ان افراد میں بیوروکریٹ،

سیاستدان،فوجی افسر اورصحافی شامل ہیں۔اس سائٹ کے مطابق طارق عزیز سابق سیکرٹری نیشنل سکیورٹی کونسل،سلمان بشیر سابق سیکرٹری خارجہ، سابق ایڈ میرل نعمان بشیر، میجر جنرل (ر) اعجاز امجد، میجر جنرل (ر) نذیر احمد، لیفٹیننٹ جنرل محمود الحسن، میجر جنرل عبداللہ سعید، میجر جنرل مسعود حسن نوری۔ (سیاستدان) میاں منظور احمد وٹو، اسلم خٹک، آفتاب شیر پاؤ، ناہید خان، شیری رحمان، جی ایم سید، خورشید احمد قصوری، احمد رضا قصوری، صحبا مشرف (پرویز مشرف کی زوجہ)، عاصمہ جہانگیر (وکیل)، (صحافی) رانا مبشر، مبشر لقمان، نجم سیٹھی سب قادیانی ہیں یا تھے۔اسی طرح پاکستان میں بہت سے کاروباری ادارے قادیانیوں کی ملکیت ہیں، جن میں شیزان، شوگر ملز، ٹیکسٹائل ملز، گھی ملز، فارماسیوٹیکل انڈسٹریز، کوریئر سروسز شامل ہیں۔

اب نہیں معلوم کہ اس سائٹ کے دعوے میں کس قدر صداقت ہے، تاہم یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ میجر جنرل (ر) اعجاز امجد موجودہ آرمی چیف کے سسر ہیں۔یہی وجہ ہے جنرل باجوہ کے بارے میں ابتداء میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ ان کا تعلق قادیانی فرقے سے ہے۔بعد میں علماء نے اس بات کا اعلان کیا کہ جنرل باجوہ کا قادیانی فرقے سے کوئی تعلق نہیں، تاہم یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جنرل باجوہ کی پھپو کا عقد بھی احمدی جماعت میں ہوا تھا اور جنرل باجوہ کے والد کے احمدی جماعت سے اچھے روابط تھے۔جنرل باجوہ کے ایک رشتہ دار کے مطابق میجر جنرل اعجاز امجد نے اپنے آخری زمانے میں احمدی جماعت کو چھوڑنے کا اعلان کیا تھا، تاہم اس کا مقصد چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے تک پہنچنا تھا، جس میں وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔

موجودہ حکمت عملی

اس امر میں تو کوئی شک نہیں کہ قادیانیوں کو برطانوی سامراج نے برصغیر کے معاشرے میں داخل کیا اور ان کا مقصد مسلمانوں کی طاقت کو کم کرنا نیز ان میں اختلاف کو فروغ دینا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قادیانی ابتداء سے ہی ایک منظم گروہ ہے۔جس کے تحت کئی ایک تعلیمی، فلاحی اور سماجی خدمت کے ادارے اور پراجیکٹس کام کر رہے ہیں۔انسانیت کی فلاح کے ساتھ ساتھ ان پراجیکٹس کا ایک اہم مقصد ان تک احمدی عقائد کو پہنچانا ہے۔خود میرے خاندان کے ایک ہونہار فرزند ڈاکٹر سبطین کچھ عرصہ اس تبلیغ کے چنگل میں پھنسے، غربت کے مارے پڑھے لکھے نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک لے جانا اور وہاں ان کو اپنے نیٹ ورک میں شامل کرنا وہ حکمت عملی ہے، جو ہم بذات خود مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اللہ نے ڈاکٹر سبطین کو ہدایت دی اور وہ برطانیہ ترک کر کے پاکستان لوٹ آئے، تاہم ہر شخص ڈاکٹر سبطین جیسا خوش قسمت نہیں ہوتا۔ بہر حال 1974ء تک یہ منظم گروہ کھلے بندوں اپنے کام جاری رکھے ہوئے تھا، تاہم 1974ء کے بعد اس گروہ نے اپنی سرگرمیوں کو زیر زمین کر لیا۔ملک میں ان کو کاروبار، ترقی اور عبادت کے مواقع میسر ہیں، تاہم وہ ہمیشہ اپنے ساتھ زیادتیوں کا شکوہ کرتے ہیں۔

یہاں میں خدا لگتی ایک بات ضرور کہوں گا کہ قادیانیوں کا عقیدہ جو بھی ہو، انھوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں وطن عزیز کی خدمت کی ہے۔مشکل ان کی حب الوطنی اور پاکستانیت میں نہیں بلکہ ان کی عقیدتی نسبت میں ہے۔وہ جماعت جو انگریز سامراج کی گود میں بیٹھ کر ایک سازش کے طور پر سامنے لائی گئی، جس کی سرپرستی آج بھی برطانیہ اور اسرائیل میں کی جاتی ہے۔جس کے فنڈنگ کے ذرائع معلوم نہیں ہیں، جس کا ایجنڈا خفیہ ہے، اس سے تعلق کے ہوتے ہوئے اس جماعت سے وابستہ کسی بھی شخص پر کون اعتماد کر سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں علماء اور سیاستدانوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ کسی قادیانی کو ملک میں کوئی کلیدی عہدہ نہ دیا جائے۔اس بداعتمادی، استعماری طاقتوں سے وابستگی کے باوجود پاکستانی معاشرے میں قادیانیوں کو ایک اقلیت اور پاکستانی شہری کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور ملک کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ان کو وہ حقوق حاصل ہیں، جو کسی بھی دوسرے پاکستانی شہری کو دستیاب ہیں۔

علمائے اہلسنت کوئٹہ سے قائد شہیدؒ کا خطاب

علامہ عارف حسین الحسینی

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِینَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ خَاتَمِ النَّبِیِّینَ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَ عَلیَ الْمَعْصُومِینَ مِنْ آلِہٖ وَ الْمُنْتَجِبِینَ مِنْ صَحْبِہٖ وَ بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ O وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران۔ ۱۰۳)

ایسی مجالس جس سے میں خود لذت حاصل کرتا ہوں وہ مجالس ہیں جن میں مسلمانوں کے متفکرین، دانشمندان باہم بیٹھ کر اتحادِ بین المسلمین پر گفتگو کریں اور مسلمانوں کی مشکلات کا حل تلاش کریں، میں اپنی زندگی میں ایسی مجالس سے لذت حاصل کرتا ہوں اور ہماری یہ مجلس بھی انہی مجالس میں سے ایک مجلس ہے جس میں الحمد للہ ہمارے برادرانِ اہلِ سنت کے بڑے بڑے علماء بالخصوص تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کے جید علماء یہاں پر موجود ہیں، تو اس مجلس سے استفادہ کرتے ہوئے چند جملے آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ایسی مجالس سے ہم جو فائدہ حاصل کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک دوسرے کے خلاف غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جب انسان آپس میں ملتا ہے تو وہ غلط فہمیاں رفع ہو جاتیں ہیں۔ ایک فائدہ تو ایسی مجالس و محافل کا یہ ہے۔ ایک مطلب جو میں یہاں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بعض اوقات اخبارات ہماری تحریک کو غلط رنگ دیتے ہیں۔ ہماری تحریک کسی کے خلاف نہیں ہے۔ اہل سنت و الجماعت ہمارے بھائی ہیں۔ ہماری یہ تحریک اہل سنت کے خلاف نہیں بلکہ ہم تو اہل سنت کے لیے فقہ حنفیہ کا مطالبہ کرتے ہیں اگر ہمارے رفقاء میں سے کوئی غلط بات کرے تو ہم اس پلیٹ فارم سے ان کو حقائق سے آگاہ کر کے اہل سنت والجماعت کے مقدسات کے احترام کے لیے بات کرتے ہیں اور دوسری طرف ہم چاہتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے مقدسات کا احترام کریں۔ ہماری یہ تحریک اہل سنت کے خلاف نہیں ہے اور کسی کے خلاف بھی نہیں ہے بلکہ صرف اپنے حقوق کے لیے ہے۔ میں آپ بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اگر پاکستان میں اپنے لیے فقہ حنفیہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہم بھی اگر اپنے لیے فقہ جعفریہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو آیا یہ برحق ہے یا نہیں۔ اگر ہم یہ مطالبہ کرتے کہ سارے مسلمانوں کے لیے فقہ جعفریہ نافذ کر دی جائے تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ لیکن ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ چوں کہ پاکستان شیعوں اور اہل سنت نے مل کر بنایا ہے تو اس میں دونوں کو پوری پوری آزادی کے ساتھ مذہبی رسومات ادا کرنے کا حق حاصل ہے۔ سنی بھائیوں کے لیے فقہ حنفی کا نفاذ کیا جائے ہمارے لیے فقہ جعفریہ کا نفاذ کیا جائے ہم اپنے فقہی حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم نہ تو انتشار پسند ہیں نہ دہشت پسند ہیں اور نہ ہی پاکستان کے مخالف ہیں ہم کس طرح پاکستان کے مخالف ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ اسی پاکستان کے بنانے میں ہمارے بزرگوں کی فکر اور سرمایہ خرچ ہوا ہے ہمارے جوانوں کا خون خرچ ہوا اور اس کے بعد پاکستان کے تحفظ کے لیے آج تک ہم اپنا خون دے رہے ہیں اب بھی اگر پاکستان کے بیرونی دشمن نے کسی قسم کا حملہ کیا تو آپ دیکھیں گے کہ کس طرح یہ جوان محاذوں پر اپنے سینے سپر کر کے پاکستان اسلامی کا دفاع کریں گے۔ ہم پاکستان کے دشمن نہیں ہیں۔ ممکن ہی

نہیں کہ ہم پاکستان کے دشمن ہو جائیں۔ ہم تو یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ پاکستان ہم دونوں نے قربانی دے کر بنایا ہے اور ہمیں بھی اپنے مذہب کی پوری پوری آزادی دی جائے اور ہمارے جتنے بھی حقوق ہیں ہمیں دیئے جائیں۔

ایک اہم مسئلہ اتحاد بین المسلمین کا ہے۔ جس طرح ہر دور میں اتحاد بین المسلمین کی سخت ضرورت تھی اسی طرح ہر دور میں دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے بھی یہی حربہ استعمال کرتے رہے۔ اتحاد کی جتنی ضرورت آج ہے اتنی ضرورت گذشتہ زمانے میں نہیں تھی اور جس طرح دشمنان اسلام شدت کے ساتھ نفاق کو مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے کے لیے حربہ کے طور پر استعمال کرتے رہے اور آج سب سے زیادہ استعمال کر رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو آگاہ اور ہوشیار رہ کر دشمنانِ اسلام کی اس سازش کو نابود و باطل کرنا چاہیے۔ آج اتحاد بین المسلمین سے وہ لوگ ڈرتے ہیں جو دشمنانِ اسلام ہیں یا دشمنانِ اسلام کے ایجنٹ ہیں اور جن کا دارومدار اختلاف پر ہے لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں اسلام و قرآن کی محبت ہے وہ سب سے زیادہ اہمیت اتحاد بین المسلمین کے مسئلہ کو دیتے ہیں۔

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ دشمن اسلام نے یہ درک کر لیا کہ ایران کی سرزمین پر ساڑھے تین کروڑ شیعہ سنی مسلمانوں نے مل کر کس طرح شرق و غرب کو منہدم سرگرداں اور لرزہ براندم کر دیا ہے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ اگر ایک ملیارد [سو کروڑ] مسلمان متحد ہو جائیں تو نہ امریکہ کی سلطنت رہے گی اور نہ روس کی، بلکہ سب کے سب اسلامی دنیا سے اپنا بوریا بستر گول کر کے اپنی اپنی جگہ پر پہنچ جائیں گے۔ اس لیے وہ لوگ آج کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان آپس میں متحد نہ ہو سکیں لیکن الحمد للہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کا جذبہ بے دار ہو گیا ہے۔ مسلمانوں میں اسلامی تحریکوں کی لہر دوڑ چکی ہے۔ آج مصر میں اسلام کے نام پر جوان خون دے رہے ہیں۔ لبنان میں جوان اسلام کے نام پر بارود سے بھرے ٹرکوں میں بیٹھ کر اسلام کی راہ میں قربانی دے رہے ہیں۔ افغانستان میں آج جوان بوڑھے حتیٰ کہ مستورات بھی اسلام کے لیے اپنی جانیں قربان کر رہی ہیں۔

ایران آج صرف اور صرف اسلام کی خاطر مشرق و مغرب سے تکلیفیں اٹھا رہا ہے۔ ایرانیوں کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اتحاد بین المسلمین چاہتے ہیں۔ وہ قرآن کی حکومت چاہتے ہیں۔ وہ اسلام چاہتے ہیں۔ یہ صرف اور صرف اسلام دوستی کا صلہ ہے۔ جوان کو دشمنانِ اسلام کی طرف سے مل رہا ہے۔

پاکستان بھی چوں کہ اسلام کے نام پر بنا ہے آج مسلمان اسلام چاہتے ہیں اسلام اسی وقت اس سرزمین پر آ سکتا ہے جب متحد ہو کر شرق و غرب کے ہاتھوں کو اپنی پاک سرزمین سے نکال دیں خواہ وہ امریکی ہو یا روسی۔ یہاں پر صرف وہی اسلام لا سکتا ہے جو صرف اور صرف اللہ کو سپر طاقت سمجھتا ہے نہ کہ امریکہ و روس کو، جو افراد امریکہ یا روس سے سہارا لیتے ہوں وہ کبھی یہاں اسلام نہیں لا سکتے۔ اسلام وہ لوگ لائیں گے جو اللہ کو سپر طاقت مانیں گے۔ اسلام صرف وہ لوگ لائیں گے جن کے دلوں میں صحیح معنوں میں قرآن کی حکومت ہو۔ آج جس قدر اتحاد بین المسلمین کی ضرورت ہے گذشتہ زمانوں میں نہیں تھی۔

آج الحمد للہ روشن فکر علماء جوانوں کو اسلام کی راہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں ہمارے درمیان مشترکات بہت ہیں ختم نبوت مسلمانوں میں ایک قدرِ مشترک ہے توحید قدرِ مشترک ہے، معاد قدرِ مشترک ہے، کعبہ و قرآن وغیرہ اسی طرح ہزاروں مسائل مشترک ہیں ہم کیوں ہزار مشترکات کو چھوڑ کر چند اختلافی مسائل کو اٹھا کر مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالتے رہیں بقول رہبر انقلاب اسلامی قائد عظیم الشان رہبر عزیز خمینی عزیز محبوب روحی لہ الفدا:۔

''جو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتا ہے نہ وہ صحیح معنوں میں شیعہ ہے اور نہ سنی بلکہ وہ استعمار کا ایجنٹ ہے''

ہم سب کو مل کر اتحادِ بین المسلمین کے لیے کام کرنا چاہیے اور دنیا پر ثابت کرنا چاہیے کہ ہم یہاں پر صرف اور صرف اللہ اور قرآن کی حکومت چاہتے ہیں نہ روس و امریکہ کی۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ڈاکٹر آفتاب اصغر اور پروفیسر سیّد وزیر الحسن عابدی

استاد شاگرد تعلقات کی منفرد داستان

از: محمد راشد شیخ

زندگی ایک طویل سفر ہے جس میں ہمیں کبھی تو کڑی دھوپ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کبھی زمستانی ہواؤں کا۔ اس سفر کے مختلف مراحل میں ہمارا مختلف شخصیات سے ربط وضبط رہتا ہے۔ ان میں سے بعض شخصیات ایسی سامنے آتی ہیں جن کی یادیں تلخ ہوتی ہیں جبکہ ایسے بندگان خدا بھی ہماری زندگی میں آتے ہیں جن کی حیثیت شجر سایہ دار کے مانند ہوتی ہے۔ بعض شخصیات سے ملاقاتیں مختصر ہوتی ہیں لیکن ان کی یادوں کے نقوش لوحِ حافظہ پر نہایت گہرے ہوتے ہیں جب کہ بعض ایسے انسان بھی ہمیں ملتے ہیں جن سے کثرت سے ملاقاتیں ہوتی ہیں لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ایسی شخصیات نقش ونگار طاقِ نسیاں ہوجاتی ہیں۔ اول الذکر شخصیات میں بعض ایسی ہوتی ہیں جن کی شفقت، محبت، ہمدردی، جذبہ ءخیر خواہی اور اپنائیت کے جذبات اس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ نقوش مدہم ہونے کے بجائے مزید گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ گویا بقول شاعر، معاملہ کچھ یوں ہوتا ہے:

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی　　مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

راقم الحروف کی زندگی میں ڈاکٹر آفتاب اصغر بھی ایک ایسی ہی شخصیت کا نام ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان سے زیادہ ملاقاتیں نہ کرسکا اور یہ افسوس اس لیے بھی ہے کہ برس ہا برس لاہور آمد اور قیام کے باوجود ان سے کیوں زیادہ نہ مل سکا اور ان سے کیوں استفسادہ نہ کرسکا لیکن اب سوائے کف افسوس ملنے کے ہمارے پاس کچھ نہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقاتوں اور فون پر طویل گفتگوؤں کے وہ اہم نکات مختلف اوقات میں راقم نے قلم بند کرلیے جن میں خود ان کے اور معاصر شخصیات کے بارے میں اہم معلومات محفوظ ہیں۔ پیش نظر مضمون انھی نکات پر مبنی ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ راقم کی ڈاکٹر آفتاب اصغر مرحوم سے ملاقاتوں اور گفتگوؤں میں بہت سے موضوعات شامل تھے لیکن سب سے زیادہ جس موضوع پر گفتگو ہوئی، وہ ڈاکٹر صاحب کے استاد محترم اور فارسی زبان وادب کے نامور عالم سید وزیر الحسن عابدی کے حالات زندگی، علمیت، خدمات اور ذاتی اوصاف سے متعلق ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عابدی صاحب کے بارے میں راقم کی معلومات چند برس قبل تک محض اتنی تھیں کہ وہ اورینٹل کالج لاہور میں شعبہء فارسی میں استاد تھے۔ اس کے علاوہ راقم نے اگر عابدی صاحب سے متعلق اگر کچھ پڑھا تھا تو وہ مولانا حامد علی خاں کے مرتبہ دیوانِ غالب کے حرفِ آغاز میں مولانا کے یہ کلمات تھے:

> ’’سب سے پہلے مجھے اس عہد کے ایک بہت بڑے فاضل غالب شناس اور اپنے محب عالی قدر پروفیسر سید وزیر الحسن صاحب عابدی کا شکریہ ادا کرنا ہے جو ’’مجلس یادگار غالب‘‘ کے اجلاس سے فارغ ہوتے ہی خود بہ اصرار مجھے کشاں کشاں اپنے دولت کدے پر لے گئے جہاں انہوں نے اپنے پیش بہا خزینہ غالب سے نکال کر اتنے قدیم وجدید نسخے غالب

کے اردو دیوان کے اور دیوان کی شرحوں کے مجھ پر لاد دیے کہ میں جوشِ مسرت میں دیوانہ سا ہو گیا۔‘‘(۱)

دیوانِ غالب کے اس یادگار نسخے کو مجلس یادگارِ غالب پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا تھا۔ اس کی خوبصورت کتابت پاکستان کے نامور خطاط اور شیخ طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب (نفیس رقم) نے کی تھی۔ سید نفیس شاہ صاحب سے عاجز کے نیاز مندانہ تعلقات تھے اور راقم برس ہا برس تک آپ کی شفقت سے بہرہ مند رہا۔ شاہ صاحب بڑا ستھرا علمی ذوق رکھتے تھے اور نادر کتب خانے کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ آپ اردو اور فارسی ادبیات کا بھی وسیع علم رکھتے تھے اور ان موضوعات پر اہلِ علم و تحقیق کی معاونت بھی فرماتے تھے (۲)۔ میرے لیے یہ بات بھی باعث حیرت تھی کہ شاہ صاحب عربی کے بجائے فارسی زبان کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور فارسی میں شعر گوئی بھی فرماتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ لاہور میں دورانِ گفتگو ایک محترم دوست نے فرمایا کہ شاہ صاحب بھی اورینٹل کالج میں عابدی صاحب کے شاگرد رہ چکے تھے اور بعد میں بھی عابدی صاحب سے ملنے اورینٹل کالج جاتے تھے (۳)۔ یہ بات راقم کے لیے ایک نئے انکشاف سے کم نہیں تھی اور کسی حد تک اس سوال کا جواب بھی کہ عربی کے بجائے فارسی زبان سے شاہ صاحب کے اس قدر گہرے تعلق کی وجہ کیا تھی۔ غالباً اسی مجلس میں یہ بھی علم ہوا کہ ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب عابدی صاحب کے خاص شاگردوں میں شامل ہیں اور آج بھی اپنے استاد کی نسبت پر فخر کرتے ہیں اور عابدی صاحب کے بارے میں بہت کچھ معلومات رکھتے ہیں۔ اس مجلس کے بعد راقم نے فیصلہ کیا کہ عابدی صاحب کے بارے میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے حاصل کیا جائے اور اس کا مطالعہ کیا جائے نیز ان کے قلمی آثار اور ان کے موجود شاگردوں سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ الحمدللہ اس بارے میں خاصی معلومات جمع ہوئیں اور اب بھی ہو رہی ہیں خصوصاً عابدی صاحب کے تلامذہ اور اہلِ تعلق مثلاً ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی صاحب، ڈاکٹر محمد سلیم اختر صاحب، سید جمیل احمد رضوی صاحب، انور مسعود صاحب و دیگر حضرات سے۔ اس وقت تک راقم کی ڈاکٹر آفتاب اصغر مرحوم سے کوئی مفصل ملاقات نہ ہو سکی تھی البتہ راقم کو یہ علم تھا کہ وہ فی زمانہ پاکستان میں فارسی زبان وادب کے چند اساطین میں شامل ہیں۔ راقم نے ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب کا رہائشی فون نمبر حاصل کیا اور انہیں فون کیا۔ دوسری جانب سے ڈاکٹر صاحب کی شیریں، شائستہ اور محبت آمیز گفتگو سنی۔ فون پر گفتگوؤں کا یہ سلسلہ مہینوں چلا۔ میں ان سے بہت سے موضوعات پر سوالات کرتا اور ڈاکٹر صاحب بڑی محبت، اپنائیت اور اخلاق سے گفتگو فرماتے اور حسبِ عادت مفصل جوابات دیتے۔ مجھے ایک گفتگو بھی ایسی یاد نہیں جب ان کے لہجے میں ذرہ برابر تلخی کا اظہار ہوا ہو۔ راقم نے کبھی عابدی صاحب کو نہیں دیکھا لیکن ان کے تلامذہ اور اہلِ تعلق سے سنا تھا کہ علم اور اخلاق نے ان کی شخصیت میں مقناطیسی کشش پیدا کر دی تھی، دیگر یہ کہ عابدی صاحب جب گفتگو کرتے تھے منہ سے پھول جھڑنے والا محاورہ یاد آ جاتا تھا۔ ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے بھی کچھ یہی احساس ہوتا تھا۔ ان سے گفتگو کر کے اور ان سے مل کر یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ دل دردمند رکھنے والے، ہمدرد اور خیر خواہ بزرگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے شفقت اور محبت کا اوصافِ حمیدہ بہ کثرت عطا فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی شیریں گفتاری، تہذیبی شائستگی اور اپنائیت ایسی باتیں تھیں جن کی بنا پر دل چاہتا تھا کہ بقولِ شاعر: وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔

جیسا کہ اوپر ذکر آیا، ڈاکٹر صاحب سے فون پر گفتگو کا سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ اپریل ۲۰۱۱ء میں راقم کا لاہور میں کئی روز قیام رہا۔ ایک روز برادرم عرفان احمد شجاع (منصرم صفہ اکیڈمی لاہور) کی معیت میں ڈاکٹر صاحب سے ’’کرسئی فردوسی‘‘ کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کو اس عاجز کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ جب ڈاکٹر صاحب کو دیکھا تو اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب حسنِ سیرت ہی نہیں حسنِ صورت کے بھی

حامل ہیں۔ڈاکٹر صاحب بڑی محبت اور تپاک سے ملے اور راقم کی خاطر تواضع بھی کی۔راقم نے زندگی میں بہت سے اساتذہ دیکھے لیکن مردانہ حسن اور نفاستِ لباس کے لحاظ سے صرف دو ہی اساتذہ منفرد نظر آئے۔ایک راقم کے استاد محترم جناب شمس الدین صاحب (مقیم حیدر آباد) اور دوسرے ڈاکٹر آفتاب اصغر مرحوم۔ڈاکٹر صاحب کے لباس، حلیے، گفتگو غرض ہر چیز سے نفاست اور شائستگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ڈاکٹر صاحب سے یہ نشست کوئی ایک گھنٹے سے زائد جاری رہی، بادل ناخواستہ مجلس سے اٹھا کیونکہ اسی شام راقم کی لاہور سے کراچی روانگی تھی۔اس مجلس میں بھی ڈاکٹر صاحب کی زبانی عابدی صاحب سے متعلق بہت سی نئی معلومات حاصل ہوئیں۔اسی ملاقات کے دوران ڈاکٹر صاحب نے فرمایا تھا کہ تقسیم برصغیر سے کچھ قبل عابدی صاحب ڈاکٹریٹ کرنے کی غرض سے دہلی سے تہران جا چکے تھے۔اس زمانے میں عابدی صاحب فارسی دانی کا ایرانی اہل علم میں بڑا چرچا تھا۔غالباً 1949ء میں جسٹس ایس اے رحمن (جو اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے) تہران گئے۔وہاں جب انہوں نے عابدی صاحب کے بارے میں سنا تو انہیں پیشکش کی کہ وہ پنجاب یونیورسٹی میں آ جائیں اور ان کا مکمل کتب خانہ ہندوستان سے لاہور آ جائے گا۔دیگر یہ کہ ان کا ڈاکٹریٹ کا بقیہ کام جو مقالہ لکھنے سے متعلق ہے، اسے بھی وہ لاہور میں بیٹھ کر مکمل کر سکیں گے۔عابدی صاحب نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں بطور ریڈر ان اسپوکن پرشین ملازمت اختیار کی۔لیکن اس کے بعد سے عابدی صاحب کے انتقال تک مسلسل تیس برسوں تک جن مشکل حالات کا انہیں اور ان کے اہل خانہ کو سامنا کرنا پڑا وہ افسوس ناک ہی نہیں بلکہ دردناک قصہ ہے۔[۴] ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ عابدی صاحب کا انتقال مورخہ ۲۹/جون ۱۹۷۹ء کو لاہور میں ہوا۔انتقال کے کچھ عرصہ بعد جب وہ عابدی صاحب کے گھر پر گئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ عابدی صاحب کی اہلیہ اور بچے پانی میں مرچ ڈال کر اسے روٹی سے کھا رہے تھے۔یہی وہ لمحہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کیا کہ اپنے استاد کے بیوی بچوں کے لیے جو کچھ ممکن ہو، کریں گے۔چنانچہ ان کی کوشش سے چھ افراد کی ایک کمیٹی بنائی گئی جنھوں نے مستقل عابدی صاحب کے اہل خانہ کی معاونت جاری رکھی اور انہیں مشکلات سے نکالا۔

ایک موقع پر راقم نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا تھا کہ پاکستان کی علمی تاریخ میں عربی زبان وادب کے لحاظ سے سب سے بڑا نام علامہ عبدالعزیز میمن کا ہے، وہ یہ فرمائیں کہ فارسی زبان وادب کے سب سے بڑے عالم کا نام لیا جائے تو وہ نام کس کا ہوگا؟ ڈاکٹر صاحب نے بلا تامل فرمایا کہ وہ نام صرف اور صرف سید وزیر الحسن عابدی ہوگا۔ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب کے مطابق عابدی صاحب کے قریب ترین شاگرد ڈاکٹر بشیر حسین مرحوم (وفات: ۲۱/جولائی ۱۹۸۳ء بمقام لاہور) تھے جن سے کبھی کبھار عابدی صاحب دل کی بات بیان کرتے تھے۔1973ء میں جب عابدی صاحب کا ریٹائرمنٹ کا آڈر آیا تو انہوں نے ملازمت میں توسیع کی درخواست دی تھی جو ایک عام سی بات ہے اور عموماً دو سال کی توسیع دی جاتی ہے لیکن عابدی صاحب کو توسیع نہ دی گئی۔جب عابدی صاحب تقریباً پون صدی شعبہ فارسی میں گزار کر جانے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے ان سے کہا کہ آپ اورینٹل کالج سے تو جا رہے ہیں لیکن آپ کے جانے سے جو جگہ خالی ہوگی اسے کوئی پُر نہ کر سکے گا۔اس پر عابدی صاحب نے فرمایا تھا: ''ہم کہیں نہیں جا رہے بلکہ ہم یہیں ہیں، اللہ جیتا رکھے میاں بشیر یہاں ہیں، آپ ہیں، آپ کے بعد آپ کے شاگرد یہاں ہوں گے تو ہم بھی یہیں ہوں گے۔'' عابدی صاحب کے دیگر اقوال بھی ڈاکٹر صاحب کو یاد تھے جن میں سے یہ دو اقوال متعدد مرتبہ سنائے:

- یونیورسٹی کا کام شاگرد پیدا کرنا نہیں بلکہ یونیورسٹی کا کام استاد پیدا کرنا ہے۔اگر یہ کام ہو گیا تو شاگرد خود پیدا ہو جائیں گے۔

❁ جس طالب علم کے پاس کوئی سوال نہ ہو وہ میری کلاس میں نہ آئے کیونکہ سوال پوچھنے سے ہی علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے بقول سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم (وفات: ۲۲/مارچ ۱۹۷۴ء) عابدی صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے Steno کو ہدایت دے رکھی تھی کہ ان کی خط و کتابت میں جہاں عابدی صاحب کا نام آئے وہاں ان کے نام سے قبل کچھ جگہ خالی رکھے۔ جب حمید احمد خاں کے سامنے یہ خط دستخط کے لیے آتا تو وہ اس خالی جگہ پر اپنے قلم سے ''علامہ'' لکھتے تھے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا کہ جب حمید احمد خاں وائس چانسلر تھے تو ایک موقع پر اورینٹل کالج کے اساتذہ کے آگے انہوں نے فرمایا تھا کہ عابدی صاحب پروفیسر نہیں بلکہ علامہ ہیں اور علامہ کا درجہ پروفیسر سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ راقم نے ایک موقع پر ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ عابدی صاحب کے نامور شاگردوں میں شامل ہیں، کیا آپ نے ان سے متعلق یادداشتیں بھی تحریر فرمائی ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ عابدی صاحب کے انتقال کے بعد انہوں نے ایک مضمون لکھا تھا جو پروفیسر مرزا محمد منور مرحوم کے توسط سے کراچی بھیجا تھا جو وہاں ایک ایسے مجلّے میں شائع ہوا۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ مجلہ سال میں ایک مرتبہ کسی ایک شخصیت کے بارے میں شائع ہوتا ہے لیکن نہ تو ڈاکٹر صاحب کے پاس اسکی کاپی تھی اور نہ ہی اس مجلّے کے نام کا علم۔ راقم الحروف نے اس کے بعد اس مجلّے کی تلاش جاری رکھی اور کئی بزرگوں خصوصاً ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر سحر انصاری و دیگر حضرات سے دریافت کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عابدی صاحب کے حالات اور علمی خدمات پر مشتمل ایک کتاب ''عابدی نامہ'' کے عنوان سے شائع کرانے کا ان کا ارادہ تھا اور اس کی فائل ''کرسئ فردوسی'' کے دفتر میں محفوظ ہے۔ اب یہ علم نہیں کہ یہ فائل محفوظ بھی ہے یا ضایع کر دی گئی۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر مرحوم سے راقم کے روابط میں راقم کی بعض مصروفیات اور مشغولیات کی بنا پر طویل وقفہ آ گیا۔ مارچ 2015ء میں ایک روز خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب کی خیر و عافیت معلوم کیے عرصہ گزر گیا، ان سے بذریعہ فون رابطہ کرنا چاہیے چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو فون کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے راقم کی آواز سنتے ہی بڑے محبت آمیز لہجے میں غالب کا یہ شعر پڑھا:

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے ۔۔۔ جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

راقم ڈاکٹر صاحب کا اشارہ سمجھ گیا چنانچہ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سے جو گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ قریباً ایک گھنٹے سے زائد جاری رہا۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی خدمت میں اپنی چند کتب روانہ کرنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا پتہ عنایت فرمایا اور راقم نے دو کتب یعنی (۱) علامہ عبدالعزیز میمن، سوانح اور علمی خدمات (۲) خطوط مشاہیر بنام ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، روانہ کیں۔ کتب موصول ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب نے فون کیا اور بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور علامہ میمن کے بارے میں فرمایا کہ علامہ میمن کے قیام لاہور (۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۶ء) کے زمانے میں متعدد مرتبہ اورینٹل کالج میں ان کی زیارت ہوئی۔ علامہ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ان کی اورینٹل کالج میں عابدی صاحب سے ضرور ملاقاتیں ہوئی ہوں گی کیونکہ دونوں بزرگ کتابوں اور مخطوطات کے شائق تھے اور ان موضوعات پر وسیع علم رکھتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی علمی مجالس پر تحقیق ہونی چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ ان کی گفتگو کن کن موضوعات پر ہوتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول عابدی صاحب کی فارسی زبان و ادب پر غیر معمولی دسترس سے تو عموماً لوگ واقف ہیں لیکن یہ بات کم لوگوں کے علم میں ہے کہ عابدی صاحب عربی زبان پر بھی دسترس رکھتے تھے اور انھوں نے عابدی صاحب کو اہل علم حضرات سے فصیح عربی میں گفتگو کرتے ہوئے متعدد مرتبہ سنا تھا۔ اس کے بعد سے

ڈاکٹر صاحب کے انتقال تک تقریباً ہر ہفتے بلکہ بعض اوقات ہفتے میں دو مرتبہ بھی فون پر طویل گفتگو ہوتی۔ڈاکٹر صاحب سے میں عابدی صاحب ودیگر موضوعات پر سوالات کرتا اور وہ حسب عادت بڑی تفصیل سے جوابات دیتے۔ڈاکٹر صاحب کے لہجے میں جو دھیما پن، شائستگی، اخلاق اور شفقت کا عنصر شامل تھا اس بنا پر راقم بھی تفصیل سے گفتگو کرتا اور وہ حسب عادت مفصل جوابات دیتے ساتھ ہی یہ فرماتے کہ آج کل وہ راقم کی تالیفات کا مطالعہ فرما رہے ہیں اور ان کتابوں کی معیت میں ان کا وقت بہت اچھا گزرتا ہے۔ایک مرتبہ راقم نے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے فارسی دانی کا کوئی کورس بھی تیار کیا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے ان حضرات کے لیے جو فارسی سیکھنا چاہتے ہیں 36 گھنٹے کا کورس تیار کیا ہے جس کی تکمیل کے بعد فارسی زبان کی پٹری پر انسان چڑھ جاتا ہے اور آگے سفر جاری رکھ سکتا ہے۔میں نے عرض کیا کہ میری دلی تمنا ہے کہ اب لاہور آؤں تو آپ کی خدمت میں رہ کر اس کورس کی تکمیل کروں۔یہ ڈاکٹر صاحب کی شفقت تھی جو انہوں نے فرمایا کہ اب جب بھی میں کراچی سے لاہور آؤں تو انہی کے ہاں قیام کروں اور اگر قیام مختصر بھی ہو تب بھی وہ دن رات پڑھا کر یہ کورس مجھے مکمل کرا دیں گے۔انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ لاہور میں کئی شوقین حضرات بشمول سابق ڈپٹی کمشنر لاشاری صاحب نے ان سے اس کورس کی تکمیل کی ہے۔اسی طرح ایک مرتبہ راقم نے دریافت کیا کہ جناب عبدالوہاب سلیم (مقیم نیویارک) کے بارے میں سید جمیل احمد رضوی صاحب کی مرتبہ کتاب میں (۵) راقم نے ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے ایک واقعہ پڑھا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے استفسار پر راقم نے بیان کیا کہ اس میں لکھا ہے کہ جب وہاب صاحب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لائبریرین تھے تو ایک رات شدید بارش شروع ہوگئی۔اس زمانے میں آپ لائبریری میں دیر تک تحقیقی کام کرتے تھے اور آپ نے وہاب صاحب کو پیشکش کی تھی کہ ان کے گھر اپنی گاڑی پر چھوڑیں گے پھر اپنے گھر جائیں گے۔وہاب صاحب نے اس پیشکش کو اس شرط پر منظور کیا کہ ڈاکٹر صاحب ان کے گھر آئیں جہاں چائے اور گرم پکوڑوں سے ان کی تواضع کی جائے گی چنانچہ وہاب صاحب کو لے کر ان کے گھر پہنچے اور ان کی اسی طرح تواضع کی گئی۔یہ واقعہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے وہ رات آج بھی یاد ہے۔اس کے بعد یہ فرمایا کہ جب وہ یونیورسٹی لائبریری میں تحقیقی کام کر رہے تھے تو تقریباً روزانہ لائبریری اسٹاف میں سے کسی نہ کسی کو اس کے گھر چھوڑ کر اپنے گھر جاتے تھے۔اس کی وجہ یہ بیان کی کہ لائبریری اسٹاف رات گئے تک ہماری ہی خاطر رکا رہتا تھا اور ان کے پاس چونکہ سواری نہیں ہوتی تھی، اس لیے ڈاکٹر صاحب ان کی معاونت کرتے۔اس واقعے سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دل میں دوسروں کے لیے ہمدردی کا کس قدر جذبہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب سے ان گفتگوؤں میں حسب سابق عابدی صاحب سے متعلق میں نے بہت سے سوالات کیے اور ان کے مفصل جوابات انہوں نے دیے۔ایک موقع پر انہوں نے فرمایا کہ عابدی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے اہل خانہ نہایت مشکل حالات سے گزر رہے تھے۔اس وقت عابدی صاحب کی اہلیہ اور تین بچے (دو بیٹے اور ایک بیٹی) موجود تھے۔ان حالات میں بھی ان کی اہلیہ نے ہمت نہیں ہاری تھی اور ایک موقع پر ڈاکٹر صاحب سے فرمایا تھا کہ ہمارا اللہ ہمیں رسوا نہیں کرے گا۔عابدی صاحب کے انتقال کے چند روز بعد ہی معروف لوک فنکار عالم لوہار کا انتقال (مورخہ ۳؍جولائی ۱۹۷۹ء) کو ہوا تھا جس کا کافی دنوں تک ہمارے اخبارات و رسائل میں ذکر آتا رہا جبکہ عابدی صاحب جیسے جیّد عالم اور فارسی دان کو کسی نے یاد نہ کیا۔ایک موقع پر ڈاکٹر صاحب سے عابدی صاحب کی اہلیہ نے فرمایا کہ اگر عابدی صاحب ساری زندگی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی بجائے چمٹا بجاتے تو شاید قوم میں ان کی زیادہ قدر ہوتی۔ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہماری قوم میں علم و اہل علم کی موجودہ

صورت حال پر اس سے بہتر طنز ممکن نہیں تھا۔

اوپر ذکر آیا کہ عابدی صاحب کے انتقال کے بعد ڈاکٹر صاحب کی کوشش سے چھ افراد کی ایک کمیٹی بنی جس نے عابدی صاحب کے اہل خانہ کی معاونت کی۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول اس وقت عابدی صاحب کے بڑے بیٹے فرخ میٹرک میں، ان سے چھوٹے فراز آٹھویں میں اور ان سے چھوٹی ایک بیٹی زیر تعلیم تھے۔ یہی وہ وقت تھا کہ ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب نے اپنے استاد کے اہل خانہ کے لیے ایک اہم فیصلہ کیا اور ان کو مشکل حالات سے نکالا۔ ڈاکٹر صاحب کی ہی کوشش سے عابدی صاحب کے قیمتی اور نادر کتب خانے کی فروخت کا انتظام ہوا اور رقم ان کے اہل خانہ تک پہنچی (۶)۔ اس مقصد کی خاطر ڈاکٹر صاحب نے پہلے پنجاب یونیورسٹی سے رابطہ کیا جہاں سے کتب خانہ خریدنے کا انکار کیا گیا۔ اس کے بعد آرکائیوز ڈپارٹمنٹ سے رابطہ کیا گیا جہاں ابتدائی تخمینے کے مطابق سوا تین لاکھ کی رقم طے ہوئی لیکن بعد میں اس محکمے کے ایک اعلیٰ افسر کے اعتراضات کی بنا پر کتب خانہ خریدا نہ جا سکا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب نے حکیم محمد سعید مرحوم کو خط لکھا تاکہ ادارہ ہمدرد اس نادر کتب خانے کو خرید لے۔ ڈاکٹر عبادت صاحب کے حکیم صاحب سے دیرینہ تعلقات تھے لیکن حکیم صاحب کسی وجہ سے خود جواب نہ لکھ سکے اور ان کے کسی ماتحت نے جواب لکھا۔ یہ جواب جب عبادت صاحب تک پہنچا تو انہوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ حکیم صاحب نے خود کیوں جواب نہ لکھا نیز ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب سے کہا کہ اس معاملے میں آئندہ خط کتابت وہ نہیں کریں گے بلکہ ڈاکٹر آفتاب ہی کریں۔ اس مرحلے پر ایک مشکل کام یہ بھی تھا کہ عابدی صاحب کی کتب کی مکمل فہرست تیار کی جائے۔ یہ وہ کام تھا جس کے عابدی صاحب بھی زندگی بھر خواہش مند رہے لیکن مکمل نہ کر سکے تھے۔ عابدی صاحب کے کتب خانے میں کئی ہزار نادر مطبوعات کے علاوہ تین سو سے زائد قیمتی مخطوطات بھی شامل تھے۔ فہرست سازی کے لیے فیصلہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر آفتاب اور ڈاکٹر بشیر حسین مل کر یہ کام مکمل کریں گے لیکن ڈاکٹر بشیر حسین تبلیغی جماعت کے ساتھ بیرون ملک چلے گئے اور کام کا سارا بوجھ ڈاکٹر آفتاب اصغر کے کاندھوں پر آن پڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے شب و روز محنت کر کے چھ ماہ میں یہ کام مکمل کر لیا۔ بعد ازاں اس فہرست کی تین نقلیں تیار کیں جن میں سے ایک ادارۂ ہمدرد کو، ایک عابدی صاحب کے اہل خانہ کو اور ایک پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں جمع کرائی گئی۔ اس کے بعد حکیم محمد سعید صاحب سے کتب خانے کی فروخت کے معاملات طے پا گئے اور یہ نادر کتب خانہ لاہور سے کراچی منتقل ہو گیا۔ ڈاکٹر آفتاب اصغر فرماتے تھے کہ اس کتب خانے کے مخطوطات تو اہم ہیں ہی، مطبوعات بھی کم اہم نہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ان مطبوعات میں سینکڑوں ایسی مطبوعات بھی ہیں جو ایران کے معروف اصحاب علم و تحقیق نے عابدی صاحب کو ہدیہ کی تھیں۔ ان مطبوعات کے ابتدائی سادہ صفحات میں ان حضرات کے قلم سے عابدی صاحب کی شان میں پورے پورے صفحوں کی عبارات ہیں جنہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ عابدی صاحب کی فارسی دانی سے بے حد متاثر ہیں اور ان کی شان میں گویا نثری قصیدے لکھے ہیں۔

عابدی صاحب کے کتب خانے کی فروخت کے بعد بھی ان کے اہل خانہ سے ڈاکٹر صاحب کا برابر رابطہ رہا۔ ایک موقع پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ عابدی صاحب کے انتقال کے چند برس بعد ہی ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا اور ان کا سمن آباد لاہور والا گھر بھی فروخت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ان کے بچے ہاسٹل میں رہے اور ڈاکٹر صاحب کا ان سے مسلسل رابطہ رہا۔ وہ ڈاکٹر صاحب کو بڑے بھائی کا درجہ دیتے تھے۔ راقم کے دریافت کرنے پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا تھا کہ عابدی صاحب کے تینوں بچے لاہور میں مقیم ہیں اور ان کی بیٹی لاہور کے ایک تعلیمی ادارے میں پڑھاتی ہیں۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو راقم نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا کہ ہر سال 25 دسمبر کو حضرت عیسیٰؑ اور قائداعظم کا یوم پیدائش

منایا جاتا ہے لیکن 25 دسمبر 2014ء ایک اور وجہ سے بھی اہم تھا۔ڈاکٹر صاحب نے دریافت فرمایا وہ کیا؟ میں نے عرض کیا کہ 25 دسمبر 2014ء کو عابدی صاحب کا صد سالہ یوم پیدائش تھا کیونکہ ان کی تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1914ء ہے۔کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس موقع پر ان کو کسی نے یاد نہ کیا اور نہ کسی کو یہ تاریخ یاد رہی۔ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اب تو یہ تاریخ گزر گئی لیکن اب بھی عابدی صاحب پر کام ہونا چاہیے اور فارسی زبان وادب کے اتنے بڑے عالم پر کوئی جامع کتاب ضرور شایع ہونا چاہیے۔ڈاکٹر صاحب نے موضوع سے راقم کی دلچسپی کی بنا پر یہ بھی فرمایا کہ یہ کام راقم مکمل کرے کیونکہ راقم علامہ میمن کے حالات اور علمی خدمات پر ایک جامع کتاب لکھ چکا ہے،لیکن راقم نے ان سے معذرت کی اور کہا کہ آپ کی معاونت کے بغیر میرے لیے یہ کام کرنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ میں کراچی میں مقیم ہوں اور عابدی صاحب کی زندگی کا طویل دور لاہور میں گزرا۔ایک مرتبہ راقم نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا کہ عابدی صاحب کے لوحِ مزار کی خوبصورت خطاطی تو پاکستان کے نامور خطاط حافظ محمد یوسف سدیدی کے زورِ قلم کا شاہکار ہے لیکن اب تک یہ علم نہ ہوسکا کہ لوح مزار پر کندہ عابدی صاحب کی شان میں فارسی اور اردو اشعار کس شاعر نے کہے تھے؟(۷) ڈاکٹر صاحب نے شاعر کے نام سے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی کہ عابدی صاحب کے بچوں سے معلوم کر کے مطلع کریں گے۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر مرحوم کا انتقال مورخہ 30 مئی 2015ء کو ہوا۔اس سے کوئی پانچ روز قبل راقم کی ان سے فون پر طویل گفتگو ہوئی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ آج شام عابدی صاحب کے بڑے صاحبزادے فرخ عابدی ان کے پاس آئیں گے اور عابدی صاحب کے کلاس لیکچرز ودیگر چیزیں ساتھ لائیں گے۔ڈاکٹر صاحب کے بقول عابدی صاحب کے صاحبزادے جرمنی جا رہے ہیں۔ابھی راقم اس سوچ میں تھا کہ اگلی مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے دریافت کروں گا کہ عابدی صاحب کی کون کون سی چیزیں ان کے پاس آئی ہیں کہ مورخہ ۳۱ر مئی ۲۰۱۵ء کو برادرم محمد عابد صاحب (استاد صفہ اکیڈمی لاہور) کا پیغام پہنچا کہ گزشتہ شب ڈاکٹر صاحب بڑی خاموشی سے انتقال فرما گئے۔یہ سنتے ہی یوں لگا جیسے ہم ایک بڑے عالم ہی نہیں بلکہ ایک شفیق اور ہمدرد بزرگ سے بھی مرحوم ہو گئے ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں امجد اسلام امجد،ڈاکٹر زاہد منیر عامر اور خالد بہزاد ہاشمی نے اخبارات میں کالم لکھے۔ڈاکٹر زاہد منیر عامر کے کالم سے یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب کو بھی دوران ملازمت خصوصاً کرسی فردوسی کی صدر نشینی کے دوران کچھ اسی طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا جیسا ان کے استاد محترم پروفیسر وزیر الحسن عابدی کو تیس سال تک کرنا پڑا۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عابدی صاحب کی طرح ڈاکٹر صاحب بھی ایک بلند مرتبہ عالم اور دانشور تھے،وہ انتہائی شریف النفس اور سراپا علم شخصیت تھے۔ہمارے تعلیمی اداروں میں جوڑ توڑ کی سیاست اور نااہلوں کو آگے بڑھانے کا جو رجحان اور ماحول پایا جاتا ہے،اس میں ایسے عالموں اور مخلص اساتذہ کی کوئی جگہ نہیں۔ڈاکٹر صاحب خود بھی ایسی ہی سیاست کا شکار ہوئے لیکن انھوں نے یہ سب کچھ صبر اور عزم وہمت سے برداشت کیا اور راقم سے کبھی اس کا ذکر نہ کیا۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر مورخہ یکم مارچ ۱۹۴۰ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔آپ کا شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۶۷ء میں بحیثیت استاد تعلق قائم ہوا اور یکم مارچ ۲۰۰۰ء کو بحیثیت صدر شعبہء فارسی آپ سبک دوش ہوئے۔آپ نے جامعہ تہران سے ڈی لٹ کی سند حاصل کی تھی۔آپ کا تحقیقی مقالہ بہ عنوان ''تاریخ نویسی فارسی در ہند و پاکستان'' شایع ہو چکا ہے جس کے سرورق کی خوبصورت خطاطی سید نفیس شاہ صاحب

کے زورِ قلم کا شاہکار ہے۔ڈاکٹر صاحب نے تمام عمر فارسی زبان و ادب کی خدمت کی اور وہ فارسی زبان میں اہل زبان کی سی مہارت سے گفتگو کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ڈاکٹر صاحب کے علمی آثار میں ارمغانِ کشمیر، تاریخ مبارک شاہی (فارسی سے اردو ترجمہ) شامل ہیں۔ان کے علاوہ آپ نے جن کتب کے اردو سے فارسی تراجم کیے اور ایران میں کثیر تعداد میں شایع ہوئے ان میں تفہیم القرآن جلد سوم، موت کا منظر مع مرنے کے بعد کیا ہوگا؟، حقیقت نماز، حقیقت جہاد، ارکانِ اسلام شامل ہیں۔ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے راقم سے فرمایا تھا کہ فارسی سے اردو میں تو کئی حضرات نے تراجم کیے ہیں لیکن مہارتِ زبان کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب اردو سے فارسی میں ترجمہ کیا جائے اور یہ ترجمہ اہلِ زبان تک پہنچے۔ان کتب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے چھٹی جماعت سے بارہویں جماعت تک فارسی کا نصاب بھی ترتیب دیا تھا۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر مرحوم تو زندگی کی پچھتر بہاریں دیکھ کر مورخہ ۳۰ مئی ۲۰۱۵ء کو راہیِ ملکِ عدم ہو گئے لیکن علوم مشرقیہ خصوصاً عربی و فارسی کے انحطاط کے اس دور میں دور دور ان جیسا فارسی دان اور عالم نظر نہیں آتا۔ساتھ ہی جب عابدی صاحب، ڈاکٹر صاحب اور ان جیسے سچے عالموں اور باکمال اور ایمان دار لوگوں کے ساتھ کیے گئے سلوک کا خیال آتا ہے تو غالب کا یہ شعر بے اختیار یاد آجاتا ہے:

حسد سزائے کمالِ سُخن ہے کیا کیجے؟
ستم بہائے متائے ہنر ہے، کیا کہیے؟(۸)

حواشی و حوالہ جات

(۱) ملاحظہ فرمایئے ’دیوانِ غالب‘ مرتبہ حامد علی خان، مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ب

(۲) ملاحظہ فرمایئے ’حضرت شاہ صاحب کا علمی، ادبی اور تحقیقی ذوق‘ از محمد راشد شیخ، ماہنامہ الحسن لاہور۔اشاعت خاص بیادِ حضرت سید نفیس الحسنی شاہ، اگست تا نومبر ۲۰۰۸ء و جنوری ۲۰۰۹ء، جامعہ اشرفیہ لاہور، ص ۱۰۵۸

(۳) ملاحظہ فرمایئے ’سید انور حسین شاہ نفیس رقم‘ از ڈاکٹر عبادت بریلوی در کتاب آہوانِ صحرا، ادارۂ ادب و تنقید لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۹۳
نیز ملاحظہ فرمایئے ’سید نفیس الحسینی نفیس رقم‘ از پروفیسر ڈاکٹر آفتاب اصغر، ماہنامہ الحسن لاہور۔اشاعت خاص بیادِ حضرت سید نفیس الحسنی شاہ، اگست تا نومبر ۲۰۰۸ء و جنوری ۲۰۰۹ء، جامعہ اشرفیہ لاہور، ص ۳۹۲

(۴) ملاحظہ فرمایئے ’پروفیسر سید وزیر الحسن عابدی‘ از ڈاکٹر عبادت بریلوی در کتاب یارانِ دیرینہ، ادارۂ ادب و تنقید لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۷۱ تا ۸۹
نیز ملاحظہ فرمایئے ’حرم میں برہمن وطن میں غریب۔سید وزیر الحسن عابدی‘ از ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی در کتاب کہاں سے لاؤں انھیں، القا پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۶۵ تا ۹۴

(۵) ملاحظہ فرمایئے کتاب ’عبدالوہاب خان سلیم۔پیکرِ جود و عطا‘ از سید جمیل احمد رضوی، ادارۂ فروغ مطالعہ لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۲۴

(۶) عابدی صاحب کے کتب خانے سے متعلق کچھ تفصیلات ڈاکٹر عبادت بریلوی کی کتاب ’یاران دیرینہ‘ کے مذکورہ بالا مضمون میں دستیاب ہیں۔اس کے علاوہ ہمیں جناب فضل قدیر کے مضمون ’وزیر الحسن عابدی‘ مشمولہ ماہنامہ سب رس کراچی (یادِ رفتگاں نمبر حصہ دوم) بابت مارچ تا اپریل ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۳ میں یہ درج ذیل تفصیل ملی:

’’وہ (عابدی صاحب) ایک ایسے شخص تھے جنھیں صحیح معنوں میں فنا فی العلم کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ مجھے انھیں ان کے گھر میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یوں سمجھیے جس طرح ابابیلیں کونوں کھدروں میں اپنی جگہ بنا لیتی ہیں، عابدی مرحوم نے بھی اس طرح کتابوں کے ڈھیروں میں اپنے لیے کچھ کونے کھدرے بنا لیے تھے۔ ذرا اندازہ کیجیے، ان کے ڈرائنگ روم میں گھپ اندھیرا رہتا، اس لیے کہ چاروں طرف کتابوں کی الماریوں کی مکرّر دیواروں نے روشن دان تک بند کر دیے تھے۔ یہ الماریاں گھر کے متعدد غسل خانوں حتیٰ کہ باورچی خانے تک میں اپنی قناطیں تانے ہوئے تھیں۔ ان کے کمرے میں بھی یہی کیفیت تھی۔ جب اس میں چلنے پھرنے کی جگہ بھی نہیں رہی تو انھوں نے چھت کے نیچے ایک اور چھت جمائی۔ یہ لکڑیوں کا ایک پٹاؤ تھا جس پر کتابیں ڈھیر تھیں۔‘‘

(۷) یہ اشعار درج ذیل ہیں

رفت از دارجہاں سید وزیر الحسن — نالہ زدروحِ زبان سید وزیر الحسن
نازشِ دانشکدہ ،قائد دانشوراں — ماہرِ علم اللسان سید وزیر الحسن
رشکِ زبان آوراں،فخرِ سخن گستراں — نکتہ سنج و نکتہ داں سیدوزیر الحسن
علم ِاوبحرِ محیط،نظم ِ اور باغ و بہار — نثراور آبِ رواں سید وزیرالحسن
صاحب نقد و بصر،عالمِ صاحب نظر — خوش کلام و خوش بیاں سید وزیرالحسن
عالمِ دین ِمتین،عاملِ احکامِ دیں — مسلکِ حق رانشاں سید وزیر الحسن
غالب و اقبال را شارحِ شیریں ادا — خسروِملکِ زباں سید وزیر الحسن
می سزد لاہور راناز کشیدن بسی — دفن است در خاکِ آں سید وزیر الحسن
جمع کن ہم یک عدد بہرِ سن ارتحال — رفت از دارِ جہاں سید وزیر الحسن

۱۳۹۸+۱=۱۳۹۹ھ

وہ انجمن طراز بھی تھا انجمن بھی تھا — قدر آشنائے علم بھی معیارِ فن بھی تھا
تھی عابدی کی موت خود فکر و فن کی موت — ہاں فکر و فن کا نام،وزیر الحسن بھی تھا

۱۳۹۹ھ

(۸) اس شعر کی تشریح میں نامور ماہر غالبیات مولانا غلام رسول مہر اپنی کتاب ’’نوائے سروش‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’اگر کوئی شخص سخنوری میں کمال پیدا کرے تو اسے سزا یہ ملتی ہے کہ لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں، یعنی کوئی بلند پایہ سخنور ایسا نہیں جو حسد کا تختۂ مشق نہ بنا ہو۔ اسی طرح جس شخص کے پاس ہنرمندی کی بیش بہا متاع موجود ہے، اسے قیمت یہ ملتی ہے کہ اس پر ظلم توڑے جاتے ہیں۔ گویا اس شعر میں مرزا نے زمانے کی تنگ نظری، خیرہ ذوقی اور قدر ناشناسی کی تصویر کھینچ دی ہے۔‘‘

تعارف: قمر رضا شہزاد

(تحریر: سید فرخ رضا ترمذی

1980 کی دہائی میں اردو شاعری کے افق پر طلوع ہونے والا روشن ستارہ"قمر رضا شہزاد"اب دنیائے ادب میں ایک ماہتاب کی صورت اپنی روشنی بکھیر رہا ہے۔قمر رضا شہزاد کا اصل نام سید قمر رضا ہے۔وہ یکم اکتوبر 1958ء کو کبیر والا کے ترمذی سادات خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد حضرت امام زین العابدین کے چھوٹے صاحب زادے سید حسین اصغرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔آپ کے بزرگ 1947 میں مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے کبیر والا میں مستقل آباد ہوئے۔قمر رضا شہزاد نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول کبیر والا میں حاصل کی اور 1974 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔انہوں نے 1977 میں ایف ایس سی اور 1979 میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔انہوں نے 1982 میں ملتان لاء کالج سے ایل ایل بی کیا۔1983 میں انہوں نے محکمہ شماریات میں ملازمت اختیار کر لی۔1986 میں انہوں نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم اے اردو کیا اور 1989 میں وہ پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے لوکل گورنمنٹ ڈیپارٹمنٹ میں پراجیکٹ مینجر تعینات ہوئے۔30 دسمبر 2018 کو وہ لوکل گورنمنٹ ڈیپارٹمنٹ سے ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔قمر رضا شہزاد ملازمت کے دوران لیہ، ساہیوال، لودھراں، خانیوال، راولپنڈی اور لالہ موسیٰ سمیت مختلف شہروں میں تعینات رہے اور ہر جگہ شعر و سخن کی شمع کو روشن کیے رکھا۔

قمر رضا شہزاد نے 1980 کی دہائی میں شعر کہنے شروع کیے اور پھر ان کا یہ تخلیقی سفر ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہوا وہ زندگی کے سارے معاملات کے ساتھ نباہ کرتے رہے اور شعر کہنے کا سفر بھی جاری رکھا۔قمر رضا شہزاد کا تعلق شعراء کی اس قبیل سے ہے جو حروف کو جوڑ کر لفظ بنانے، لفظوں کی ترتیب سے مصرعے کو تشکیل دینے اور مصرعے کو کاریگری سے شعر کے قالب میں ڈھالنے کے فن پر نہ صرف مکمل دسترس رکھتے ہیں بلکہ اس ہنر میں اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کے باعث اپنی ایک منفرد پہچان بھی رکھتے ہیں۔قمر رضا شہزاد کا پہلا شعری مجموعہ پیاس بھرا مشکیزہ 90 کی دہائی میں منظر عام پر آیا۔ان کے اب تک غزلیات کے چھ شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں" پیاس بھرا مشکیزہ"،" ہارا ہوا عشق"،" یاد دہانی"،"خامشی"،" بارگاہ"،اور"شش جہات"شامل ہیں جبکہ نظموں کا ایک مجموعہ"اتمام حجت"بھی شائع ہو چکا ہے۔ان کی کلیات"خاک زار"کے نام سے شائع ہو چکی ہے جبکہ ان کی خودنوشت"اپنے نواح میں"اور غزلیات کا ساتواں مجموعہ"درگزر"کے نام سے زیر اشاعت ہیں۔حمد، نعت، سلام و منقبت کا مجموعہ زیر ترتیب ہے۔قمر رضا شہزاد کو اکادمی ادبیات پاکستان نے سال 2020 میں اردو شاعری کے قومی ایوارڈ علامہ اقبال ایوارڈ سے نوازا ہے جو انکی کتاب" بارگاہ" پر ان کو عطا کیا گیا ہے۔قمر رضا شہزاد کی شخصیت اور فن پر مختلف یونیورسٹیوں میں پانچ سے زائد ایم فل کے مقالہ جات تحریر ہو چکے ہیں۔

منتخب کلام: قمر رضا شہزاد

رقص در رقص جو یہ عالم سرشاری ہے
اس خرابے میں فقیروں کی عملداری ہے

میں کسی وقت بھی اے دوست بھڑک سکتا ہوں
مجھ میں موجود ابھی آخری چنگاری ہے

میں تہہ وبالا بھی کرسکتا ہوں دنیا کا نظام
میری خاموشی، سمجھ میری رواداری ہے

مجھے معلوم ہے میں قتل بھی ہوسکتا ہوں
یہ ترا مجھ سے گلے ملنا بھی مکاری ہے

کتنے دکھ جھیل کے آیا ہوں میں تیری جانب
کیا عجب ہے مری آواز اگر بھاری ہے

چند یہ ٹوٹے ہوئے خواب ہیں اور ایک چراغ
اب ترے دل سے مرے کوچ کی تیاری ہے

----❁❁----

صدائے غیب سمجھ اور بے ٹھکانہ ہو
سبھی کو روتے ہوئے چھوڑ کر روانہ ہو

یہ کائنات جو میرے لئے جہنم ہے
کسی گناہ کا ممکن ہے شاخسانہ ہو

کوئی ملے تو لہو میں رواں رہے ہر پل
کسی سے عشق اگر ہو تو والہانہ ہو

یہ ایک ٹوٹا ہوا دل مگر کسے معلوم
ہمارے پاس یہی آخری ٹھکانہ ہو

یہ ہر طرف جو بھڑکتی ہے آگ ممکن ہے
ابھی یہاں کسی نمرود کا زمانہ ہو

میں کر بھی سکتا ہوں مزدوریء جنوں شہزاد
کسی کا وصل اگر اس کا محنتانہ ہو

----❁❁----

میں نے بڑی مشکل سے یہ تنہائی بنائی
تنہائی سے پھر اپنی شناسائی بنائی

آنکھوں میں کسی جھیل کی تصویر اتاری
تصویر میں خود اپنی جگہ کائی بنائی

میں کون ومکاں سے بھی پرے دیکھ رہا ہوں
خالق نے یہ کیسی مری بینائی بنائی

یونہی تو نہیں ایک لڑی میں سبھی آئے
دل جوڑ کے میں نے یہاں یکجائی بنائی

جس عشق کی لو نے کئے تبدیل مرے نقش
اس عشق کی لو نے تری رعنائی بنائی

----❀❀----

مجھے پتہ ہے مرا ایک کام رہتا ہے
کسی کے ہاتھوں مرا انہدام رہتا ہے

میں اس لئے بھی کبھی اس طرف نہیں جاتا
محل سرا میں مرا اک غلام رہتا ہے

ابھی تو آخری کردار بھی نہیں آیا
ابھی کہانی ترا اختتام رہتا ہے

یہ شہر ہوگیا برباد جتنا ہونا تھا
نجانے کون سا اب انتقام رہتا ہے

کبھی سنو تو سمندر کو غور سے شہزاد
وہ خامشی میں بھی محو کلام رہتا ہے

----❀❀----

خالی تو نہ جائے وار میرا
اے موت یہ ڈر اتار میرا

یہ پھول ، چراغ اور کھڑکی
اب چھوڑ دیں انتظار میرا

اک آگ لہو میں بہہ رہی ہے
اک رنج ہے برقرار میرا

میں نیند میں سب سے کہہ رہا ہوں
اک خواب ہو واگزار میرا

شاید مرے پاؤں کی دھمک ہے
اڑتا ہوا یہ غبار میرا

کب تک میں اٹھاؤں گا محبت
یہ بوجھ بھی اب اتار میرا

اس شہر میں رہ رہا ہوں جس میں
ہر شخص گناہ گار میرا

دریا ہی مجھے بتائے شہزاد
کشتی میں نہیں سوار میرا

----❁❁----

مکتب سلیمانی

مصنف: حسن رضا نقوی
تبصرہ: سید ثاقب اکبر

اگر کوئی اسے غلو نہ سمجھے تو مجھے یوں لگتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران کی حفاظت اور اسلامی مزاحمت کی معجزانہ پیشرفت میں تین افراد کا کردار بنیادی ہے۔ایک سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ، دوسرے حضرت ابوالفضل العباسؑ اور تیسرے ان کے مرید خاص اور عاشق جانباز قاسم سلیمانی جو مکتبِ خمینیؒ میں پروان چڑھے اور عصر حاضر میں اس کا ایک کامل نمونہ بن گئے اور خمینیؒ وہی ہیں جس کے بارے میں شہید آیت اللہ باقر الصدرؒ نے فرمایا تھا:

امام خمینیؒ نے ثابت کر دیا ہے کہ علیؑ کوئی شخص نہ تھے جو تاریخ میں آئے اور چلے گئے بلکہ ایک شخصیت تھے جو آج بھی زندہ ہے۔

''مکتب سلیمانی''، اسی مکتب علوی کا تسلسل ہے، شہید قاسم سلیمانی کے بارے میں ہمارے نہایت عزیز اور ہمیں نہایت عزیز سید حسن رضا نقوی نے ''مکتب سلیمانی'' کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اسے ہم اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بڑے بڑے قدآور لوگوں کے مابین سروقد کھڑا ہونا اور پھر ان بڑے قدآور لوگوں سے خراج تحسین وصول کرنا کوئی آسان کام نہیں۔شہید قاسم سلیمانی نے یہ مشکل کام کر دکھایا۔عصر حاضر میں اسلام کے جذبہ جہاد اور مجاہدانہ معنویت اور تدبیر مزاحمت کے لیے قاسم سلیمانی کی عبقری شخصیت اور ان کے کمالات کا مطالعہ ضروری ہے۔کیسے اس مکتبِ اسلام کے عاشق دلباختہ نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ مختلف محاذوں پر اس انداز سے طاغوتی سازشوں کے جال کو چھید چھید کر دیا اور طاغوت کی مکارانہ سازشوں کو ناکام بنا دیا، اس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

قاسم سلیمانی کے بارے میں راقم نے متعدد کتابیں پڑھ رکھی ہیں، بعض کتابیں واقعی مفید ہیں اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو عمدگی سے بیان کرتی ہیں لیکن ''مکتب سلیمانی''اس حوالے سے آج تک سامنے آنے والی سردار قاسم سلیمانی کی سوانح اور خدمات پر ایک جامع تصنیف ہے۔

حسن رضا نقوی تہران یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے طالب علم ہیں۔ پاکستان میں وہ ہمارے نزدیک ایسے ہونہار اور متدین جوانوں میں سے تھے جو بعض انفرادی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ان میں شعر و ادب اور مطالعہ سیرت و تاریخ کے ذوق کا سراغ ہم نے انھیں ایام میں لگا لیا تھا۔آج ''مکتب سلیمانی'' کی صورت میں ان کا یہ ذوق زیادہ جامعیت سے سامنے آیا ہے اور وہ ایک سوانح نگار اور محقق کی صورت میں جلوہ گر ہوئے ہیں۔ ان کی یہ کتاب فقط جنرل قاسم سلیمانی کی شخصیت اور سوانح کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ ایران عراق جنگ کے نہایت اہم پہلوؤں، اسلامی جمہوریہ ایران کی داخلی مشکلات کو فرو کرنے کی تدابیر اور پھر ایران کی سرحدوں کے اس پار مقاومت کے سارے محاذوں کو منظم اور مربوط طور پر بیان کرتی ہے۔اس سلسلے میں افغانستان ، لبنان ، فلسطین ، شام اور عراق میں شہید سردار قاسم سلیمانی کی خدمات احاطہ کرتے ہوئے استعماری طاقتوں اور ان کے پروردہ خون آشام تکفیری گروہوں سے مزاحمت کی تاریخ کا اجمالی جائزہ بھی پیش کرتی ہے۔لہذا بیک وقت یہ کتاب

شہید قاسم سلیمانی کی شخصیت، ایران میں نظام ولایت فقیہ کی اثر انگیزی اور پھر مقاومت کے ظہور اور مختلف محاذوں پر اس کی معرکہ آرائیوں، پیش رفت، مشکلات اور کامیابیوں کو ہمارے سامنے واضح کرتی ہے۔

عزیزم حسن رضا نقوی نے حوالوں، دلائل، مشاہدات، بیانات اور انٹرویوز کے ذریعے اپنی بات کو مستند طریقے سے پیش کیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ایک کمرے میں بند ہو کر بند ہو کر نہیں لکھی گئی بلکہ اس کے لیے انھوں نے مشکل مسافتوں کو طے کیا ہے۔ ہر محاذ کی اہم ترین شخصیات سے ملاقات کی ہے۔ چشم دید گواہیاں اکٹھی کی ہیں اور ضروری لٹریچر کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ وہ چونکہ خود معنویت و روحانیت کی رمزوں کو جانتے ہیں لہٰذا انھوں نے ''مکتب سلیمانی'' سے مربوط سرداران جہاد اور مجاہدین کے روحانی ولولوں کی خوبصورتی سے عکاسی کی ہے اور اسی کو کامیابی کی بنیادی دلیل قرار دیا ہے اور اس دلیل کے لیے مجاہدین فی سبیل اللہ کے کردار و گفتار کا حوالہ پیش کیا ہے۔

یہی کتاب فارسی میں بھی موجود ہے اور راقم کی معلومات کے مطابق اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ایران میں اس کی نہایت اعلیٰ سطح پر پذیرائی ہوئی ہے اور پاکستان میں بھی شہید قاسم سلیمانی کی زندگی اور مزاحمتی جدوجہد پر اسے اب تک کی ایک بہترین کتاب قرار دیا جا رہا ہے۔

''مکتب سلیمانی''، فکشن ہاؤس نے جنوری ۲۰۲۲ میں شائع کی ہے۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں دستیاب ہے۔ لاہور میں فکشن ہاؤس بک سٹریٹ مزنگ روڈ سے حاصل کی جا سکتی ہے جس کا فون نمبر 042-36307550-1 ہے۔

یہ کتاب، رواں اور رسا اردو میں لکھی گئی ہے کہیں کہیں احساس ہوتا ہے کہ اس کے مصنف ایران میں رہتے ہیں۔ اگلی اشاعت سے پہلے اس کی عبارات اور پروف پر ایک اور نظر ڈال لی جائے تو چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ سید حسن رضا نقوی ہماری طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں لیکن ان کی محنت اور عظیم کام کے سامنے تحسین و ستائش کے الفاظ مدھم پڑ گئے ہیں۔ اللہ ان کو مزید کامیابیوں سے نوازے۔

آخر میں ان کی کتاب سے ''وصیت نامہ شہید قاسم سلیمانی'' سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ یہ اقتباس ہمیں شہید سردار کے سینے میں موجزن عشق الٰہی کی طوفانی اور بے قرار لہروں سے آشنا کرتا ہے:

اے میرے خالق، میرے محبوب، میرے عشق! میں نے ہمیشہ تم سے چاہا ہے کہ میرے وجود کو اپنے عشق میں ڈبو دو، اپنے فراق میں مجھے جلا دو اور مار ڈالو۔ اے میرے مہربان! میں پیچھے رہ جانے کی بے قراری اور رسوائی کی وجہ سے سڑکوں پر آوارہ ہو گیا ہوں۔ میں گرمیوں، سردیوں میں ایک موہوم امید لیے ہوئے اس شہر سے اس شہر، اِس صحرا سے اس صحرا میں در بدر پھر رہا ہوں۔ اے کریم، حبیب! تیرے کرم سے امید لگا رکھی ہے، تو خود جانتا ہے کہ میں تجھ سے پیار کرتا ہوں، اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تیرے علاوہ کسی کو نہیں چاہتا، مجھے اپنا وصل عطا فرما۔

اے میرے خدا! وحشت نے میرے پورے وجود کو گھیر لیا ہے، میں اپنے نفس پر قابو پانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مجھے رسوا نہ کر، ان ہستیوں کی حرمت کے صدقے میں، جن کی حرمت کو تم نے اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے، اس حرمت کے پامال ہونے سے پہلے، کہ جو ان کے حرم پر خدشہ وارد کرے، مجھے اس قافلے سے ملا دے جو تیری طرف بڑھ چکا ہے۔

میرے معبود، میرے عشق، میرے معشوق، میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ تمہاری جھلک دیکھی اور تجھے محسوس کیا۔ میں تجھ سے الگ نہیں رہ سکتا، بہت ہو گئی، بس مجھے قبول کر لے لیکن اس طرح کہ تیرے لائق ہو جاؤں۔

اجلاس مجلس قائدین ملی یکجہتی کونسل پاکستان

۱۶ مئی ۲۰۲۲، الفلاح ہال، اسلام آباد

اہم فیصلہ جات

اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ دستور میں موجود تنظیمی ڈھانچے کے مطابق ہی امور چلائے جائیں گے۔ اس سلسلے میں قائم کی گئی دستور کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں مشائخ کونسل کے قیام کی منظوری دی گئی۔

ملک میں سیاسی درجہ حرارت کو کم کرنے اور سیاسی شدت پسندی اور فرقہ واریت سے نمٹنے کے لیے ملی یکجہتی کونسل میں شامل جماعتوں کے قائدین کا ایک وفد ملک کی سیاسی جماعتوں کے قائدین سے ملاقاتیں کرے گا اور ان کو سیاسی درجہ حرارت میں کمی لانے، تحمل برداشت نیز گفت و شنید کے ذریعے مسائل کے حل کی جانب متوجہ کرے گا۔

اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ سود کی حرمت کے حوالے سے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی پیروی کی جائے گی، اس سلسلے میں حکومتی عہدیداروں سے ملاقاتیں بھی کی جائیں گی۔ اگر کسی نے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی تو اس کا مقابلہ بھی کیا جائے گا۔

دفتری اور مالیات کے امور کو بہتر کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی یہ کمیٹی ۔۔۔۔۔ کی سربراہی میں کام کرے گی۔

علامہ عارف حسین واحدی جو کونسل کے کمیشنز کے کوارڈینیٹر ہیں کمیشنز کی فعالیت کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کریں گے تمام تنظیموں کو اس سلسلے میں تعاون کا کہا گیا۔

اجلاس میں متفقہ طور پر درج ذیل اعلامیہ بھی پیش کیا گیا۔

اعلامیہ

ملک میں انتشار، فساد، نفسانفسی کی بڑی وجہ اور بنیاد اسلام، قرآن وسنت، آئین سے انحراف ہے۔ اغیار، استعمار، استکبار کی غلامی سے انکار اور نجات پاکستان میں فقط نظام مصطفیؐ کے قیام سے ممکن ہے۔ ماضی کی تمام حکومتوں نے قوم پر امریکہ، یورپ، عالمی استعماری مالیاتی اداروں کی

غلامی مسلط کی۔ ملی یکجہتی کونسل میں شامل دینی جماعتوں کے قائدین کا متفقہ اعلان ہے کہ انشاءاللہ اپنی قوم اور ملک کی سلامتی، حقیقی آزادی اور وقار کے تحفظ نیز غیراللہ کی غلامی سے نجات تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔

اس وقت ملک انتہائی نازک معاشی صورتحال سے گذر رہا ہے، عام آدمی کے لیے غربت، مہنگائی، روپے کی قدر کا زوال اور ڈالر کی اونچی اڑان عذاب بن چکی ہے۔ قرضے، کرپشن، سود کی لعنت، آئی ایم ایف کے ساتھ بدترین شرائط ملک وملت کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ ۷۰ سال سے بار بار آئی ایم ایف کے دربار میں حاضری، قرضوں اور سودی نظام معیشت ناکام ہوگیا ہے۔ ایسے میں وفاقی شرعی عدالت کا ربا کے خاتمہ اور اسلامی معاشی نظام رائج کرنے کے حوالے سے فیصلہ تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ حکومت، معاشی ماہرین، پالیسی ساز ادارے اعلی عدلیہ کے اس فیصلہ کو تسلیم کریں اور اس کے نفاذ کے لیے اقدام کریں۔ اس فیصلے کے خلاف اپیل میں جانا اللہ اور اسلامیان پاکستان کی ناراضگی کا باعث بنے گا۔ خود اعتمادی، خودداری، قومی وسائل کی دیانت دارانہ تقسیم، پانی کی منصفانہ تقسیم جیسے مسائل کا واحد حل اسلام کا معاشی نظام ہے۔۔ حکومت ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کرے۔ قیام پاکستان کے مقاصد کے مطابق اسلام کے مکمل نظام کی جانب لوٹ آئیں۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کو پاکستان کی طاقت بنایا جائے۔

قومی سیاسی محاذ پر شدت، انتہاپسندی، تحقیر ونفرت، سیاسی زہریلی فرقہ پرستی کا بیانیہ خوفناک ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ ہر سیاسی جمہوری پارٹی کو سیاست کا حق حاصل ہے۔ اختلاف رائے کو انتشار نہیں رحمت کا ذریعہ بنایا جائے، نئی نسل میں نفرت، انتقام اور عدم برداشت کا زہریلا بیانیہ نہ پھیلایا جائے۔ اس سلسلے میں فیصلہ کیا گیا کہ مرکزی قائدین کا وفد بلاتفریق تمام قائدین سے ملاقات کرے گا اور اپیل کرے گا کہ قومی قیادت ذمہ دارانہ اور باہمی احترام کا اسلوب اختیار کرے۔

اتحاد امت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور مسلمانوں کی زبوں حالی، قبلہ اول، مسجد اقصی میں اسرائیلی ظلم، جبر، قتل وغارت گری، مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی بڑھتی ہوئی دہشت گردی، بے گناہ کشمیریوں کا قتل عام، افغانستان میں بگڑتے حالات اور بڑھتی ہوئی سیاسی کشیدگی کا تقاضا ہے کہ قومی ڈائیلاگ کے ذریعے قومی ترجیحات، متفقہ خارجہ پالیسی، اقتصادی پالیسی اور شفاف غیر جانبدارانہ انتخابات کے لیے متفقہ قومی حکمت عملی بنائی جائے۔ باہم دست وگریبان رہنے سے قومی سلامتی کے لیے بھی خوفناک چیلنجز بڑھتے جائیں گے۔ اس کے نتائج کی ذمہ داری قومی قیادت پر ہوگی۔

نئی اتحادی مخلوط حکومت اپنے مختصر حکومتی دورانیہ میں:

- اسلام، قرآن وسنت اور آئین سے متصادم قوانین واپس لے۔
- انتخابی اصلاحات پر قومی متفقہ حکمت عملی بنائی جائے۔
- وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ پر عملدرآمد کیا جائے۔ ۵ سال کی مدت کے لیے جامع لائحہ عمل اور روڈ میپ دیا جائے۔

❁ قومی قیادت سیاسی محاذ پر شدت، عدم برداشت اور ہلاکت خیز رویوں کے دروازے بند کردے۔ جینے اور جینے دو کا اصول اختیار کیا جائے۔

❁ ملی یکجہتی کونسل کا متفقہ اعلان ہے کہ آئین پاکستان کی حفاظت کی جائے گی۔ آئین سے ماورا کوئی اقدام قابل قبول نہیں ہوگا۔

❁ ملک کے بگڑتے ہوئے حالات، قومی سلامتی اور نظریہ پاکستان کی حفاظت کے لیے ملی یکجہتی کونسل کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہو قائدین کی کمیٹی تشکیل دی جائے گی، یہ کمیٹی آئندہ کے لائحہ عمل کا اعلان کرے گی۔

اجلاس میں موجود شرکاء اور تنظیمیں

ملی یکجہتی کونسل پاکستان کے سربراہی اجلاس سے کونسل کے صدر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر، جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سراج الحق، مجلس وحدت مسلمین کے چیئرمین علامہ راجہ ناصر عباس، کونسل کے سیکریٹری جنرل لیاقت بلوچ، اسلامی تحریک کے نائب صدر علامہ عارف حسین واحدی، کونسل کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل سید ثاقب اکبر، تحریک اویسیہ کے سربراہ پیر غلام رسول اویسی، اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ علامہ زبیر احمد ظہیر، امیر جماعت اہل حدیث حافظ عبدالغفار روپڑی، تحریک احیائے خلافت کے امیر قاضی ظفر الحق، جماعت اہل حرم کے سربراہ مفتی گلزار احمد نعیمی، جوانان پاکستان کے سربراہ عبداللہ گل، علماومشائخ رابطہ کونسل کے سربراہ پیر معین الدین کوریجہ، وفاق علمائے شیعہ کے سیکریٹری جنرل مولانا افضل حیدری، ہدیۃ الہادی کے نائب صدر مفتی معرفت شاہ، تحریک اللہ اکبر کے مرکزی راہنما وحید شاہ، اسلامی تحریک کے سیکریٹری جنرل علامہ شبیر میثمی، مجلس وحدت مسلمین کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل ناصر عباس شیرازی، تنظیم اسلامی کے مرکزی راہنما راجہ محمد اصغر، جماعت اسلامی کے مرکزی راہنما پروفیسر محمد ابراہیم، امامیہ آرگنائزیشن کے مرکزی راہنما سید سجاد نقوی نے خطاب کیا۔ دیگر موجود قائدین میں اتحاد علماء کے صدر مولانا عبدالمالک، مولانا محبوب الرحمن، مجلس وحدت کے سیکریٹری سیاسیات سید اسد عباس نقوی، جماعت اسلامی کے نائب امیر میاں محمد اسلم، جماعت اسلامی کے

مرکزی راہنما لقمان قاضی، اسلامی تحریک کے مرکزی راہنما زاہد اخونزادہ، نصر اللہ رندھاوا، کونسل کے رابطہ سیکریٹری پیر لطیف الرحمان شاہ اور سید اسد عباس وغیرہ شریک تھے۔ اس اجلاس میں درج ذیل جماعتوں کے قائدین اور مرکزی نمائندگان نے شرکت کی:

جماعت اسلامی پاکستان، جمعیت علمائے پاکستان، اسلامی تحریک پاکستان، جماعت اہل حدیث، تنظیم اسلامی، البصیرہ پاکستان، متحدہ جمعیت اہل حدیث، تحریک اویسیہ، علماومشائخ رابطہ کونسل، مرکزی علماء کونسل، جماعت اہل حرم، تحریک احیائے خلافت، تحریک اللہ اکبر، اسلامی جمہوری اتحاد، مجلس وحدت مسلمین پاکستان، امامیہ آرگنائزیشن پاکستان، وفاق المدارس شیعہ، تحریک جوانان پاکستان، ہدیۃ الہادی پاکستان

اقبال اور حریت و غلامی (انتخاب)

علامہ اقبال کو شاعر حریت کہا جائے تو بالکل بجا ہوگا۔ ان کے اردو اور فارسی کلام میں غلامی کی نکبت اور حریت کی عظمت کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ قوموں کی غلامی کے منفی اثرات کو بھی بیان کرتے ہیں اور فرد کی غلامی کے منفی آثار کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ فکری غلامی کے بھی خلاف ہیں۔ ہم ان کے کلام میں سے نہایت اختصار کے ساتھ چند اشعار آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد
گوہرے داشت وَلے نذر قباد و جم کرد
یعنی اَز خُوئے غلامی ز سگاں خوار تر است
من نہ دیدم سگی پیش سگی سَر خم کرد

''آدمی نے اندھے پن سے آدمی کی غلامی کی۔ ایک موتی رکھتا تھا مگر (وہ بھی) بادشاہوں (قباد اور جمشید) کی نذر کر دیا۔ یعنی غلامی کی لت سے کُتوں سے (بھی) بڑھ کر خوار ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی کُتے نے کسی کُتے کے آگے سر جھکایا ہو''۔

آہ از قومے کہ چشم از خویش بست
بہ غیر اللہ داد، از خود گسست

''ہائے وہ قوم جس نے اپنے آپ سے آنکھیں بند کر لیں اور غیر اللہ کو دل دے دیا اور اپنی حیثیت گنوا بیٹھی''۔

ایک مقام پر غلامانہ ذہنیت رکھنے والے فقیہان حرم کی بدآموزی کا ذکر کرتے ہیں:

حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

وہ کہتے ہیں کہ گاہے علماء اور حکماء بھی لوگوں کو غلامی کا درس دینے لگتے ہیں:

شاعر بھی ہیں پیدا، علماء، حکما بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ!
مقصد ہے اِن اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرحِ معانی میں یگانہ!
''بہتر ہے کہ شیروں کو سکھادیں رمِ آہُو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ!''
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضا مند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ!

ادارہ التنزیل
معارفِ قرآن کی تبلیغ و ترویج کا مرکز

حقیقی معارفِ قرآن و اہل بیت علیہم السلام سے آگاہی کیلئے

LIKE OUR PAGE

/AltanzilFoundation/
/idara.tanzeel

اس پیج پر ملیں گی آپ کو درج ذیل قرآنی موضوعات پر مفید و علمی دیدہ زیب پوسٹیں:

- دنیا کے معروف قراء کا تعارف اور ان کی تلاوتیں
- مختلف سورتوں کی تلاوتیں خوبصورت ویڈیوز کے ساتھ
- ماہ رمضان کی فضیلت، اعمال، شب ہای قدر، دعا و مناجات
- عجائبات خلقت
- اخلاقی موضوعات
- قرآنی مختلف دعائیں
- قرآنی پھلوں کا تذکرہ اور خواص
- عفاف وحجاب
- معصومین علیہم السلام کے حالات زندگی و فرامین
- قرآنی سورتوں کا تعارف
- ماہ محرم و صفر سے متعلق مفید معلومات
- ملک عزیز پاکستان کی مختلف مناسبتوں سے متعلق پوسٹیں
- قرآنی پیغامات پر مشتمل ''نور کی کرنیں''

idaratanzeel@gmail.com *+92-322-4148057*
www.altanzil.net *+92-423-5969264*

ممبرشپ فارم

نام: .... ولدیت: ....

پتہ: ....

....

تعلیم: .... پیشہ: ....

فون: .... فیکس: ....

براہ کرم .... سال کے لیے پرچہ میرے نام جاری کردیجئے۔

دفتری استعمال کے لیے

خریداری نمبر: .... تعارف کنندہ: ....

تاریخ اجراء: .... تاریخ اختتام: ....

دستخط سرکولیشن منیجر:

فروغ فکر و آگہی کے لئے
ماہنامہ پیام اسلام آباد

رابطہ دفتر:

شاہ اللہ دتہ

اسلام آباد

051-2218005

0323-4426172

ویکٹروژن میڈیا، ڈیزائنگ ہاؤس

VECTOR VISION

(VV) IS A COMPLETE GRAPHIC DESIGN MEDIA HOUSE

ویکٹروژن (VV) گرافک ڈیزائنگ ہاؤس، درج ذیل سروسز مہیا کرتا ہے:

- کمپوزنگ
- ویڈیو ریکارڈنگ
- ڈیزائنگ
- ایڈیٹنگ
- پیج میکنگ (صفحہ بندی)
- ہر قسم کی پرنٹنگ
- ملٹی میڈیا

ہماری امتیازی خصوصیات:

- (بروقت، اعلیٰ ترین اور مناسب قیمت)
- آپ کا کام۔۔۔صرف ایک فون کال پر
- 24 گھنٹے میسر
- ہمہ وقت آن لائن سروسز
- مناسب دام
- جدید اور منفرد آئیڈیاز
- اعلیٰ معیار
- برسوں کے تجربات کے حامل پروفیشنلز

خریداری فارم

قارئین کرام!

اگر آپ ماہنامہ پیام کے باقاعدہ خریدار بننا چاہتے ہیں تو یہ فارم پُر کیجئے اور ایک سال کے لئے مبلغ -/300 روپے بصورت منی آرڈر ماہنامہ پیام کے نام ارسال کیجئے۔

انشاءاللہ ہر شمارہ آپ تک بذریعہ ڈاک پہنچ جایا کرے گا۔

ماہنامہ پیام سلام آباد

البصیرہ

شاہ اللہ دتہ

اسلام آباد

E.Mail:Payam@albasirah.com

www.albsirah.com

051-2218005

Al Basirah Publication Islamabad

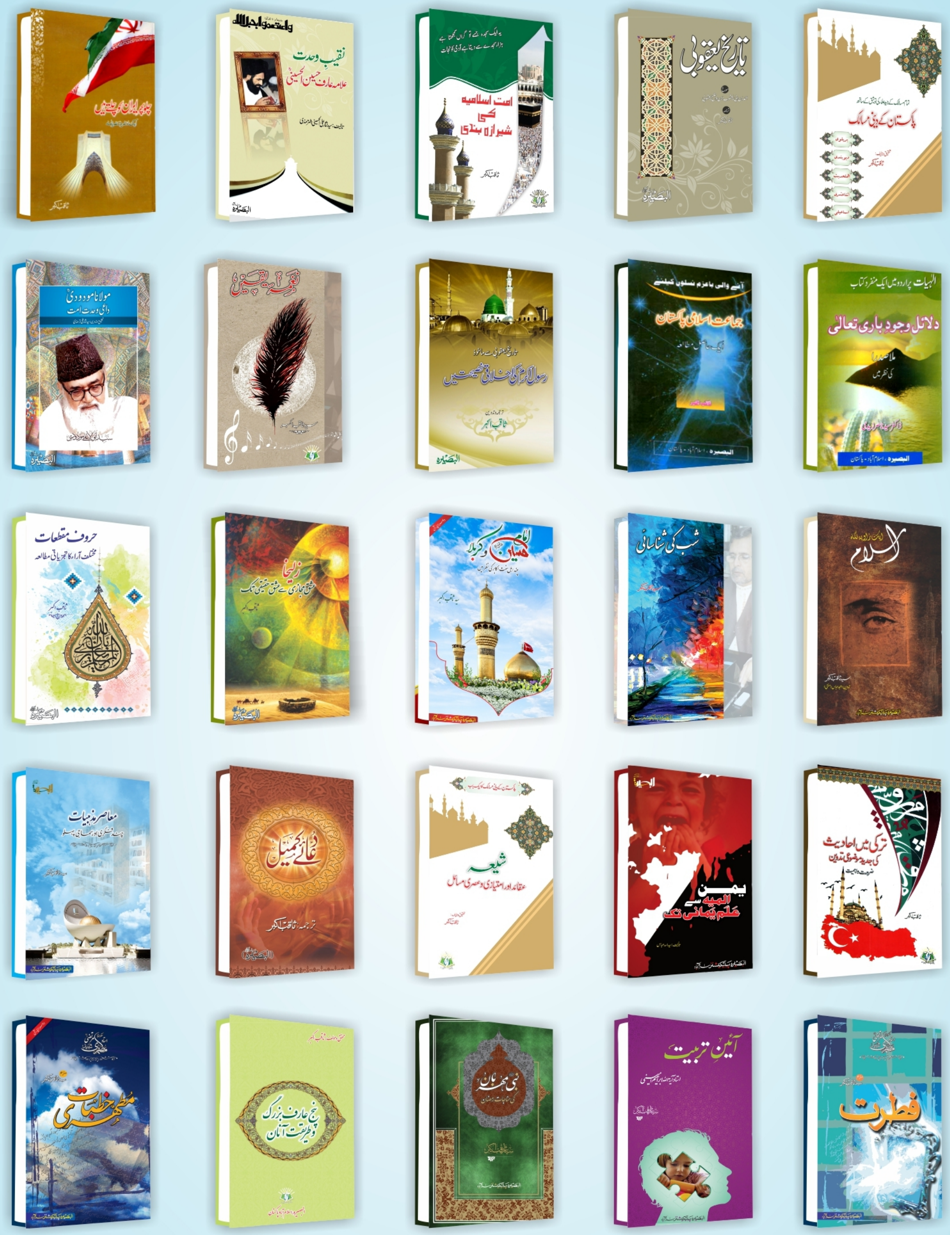

Al Basirah Publication

Saqib Akbar   Albasirah   ukhuwat

+92 306 5566771   +92-51-2218005

P O Box # 416, Islamabad • Albasirah ,Shah Allah Dita , Islamabad